فاتحہ خلف الامام
آمین بالجہر رفع یدین
قرآن و سنت کی روشنی میں تحقیق انیق
فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون
تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں
تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان کے تعلیمی نصاب کے عین مطابق
فقہ حنفی
اور
حدیثِ رسول ﷺ
لکھے
سردار احمد حسن سعیدی
ضیاء العلوم پبلی کیشنز
راولپنڈی۔ پاکستان
0333-5166587
Email: ziauloom@isb.paknet.com.pk

﴿وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا﴾

مسلکِ حنفی کے مطابق مسائل فقہیہ اور احادیث مبارکہ کا حسین مرقع

طلباء و علماء اور عوام الناس کیلئے یکساں مفید

فقہ حنفی
اور
حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیفِ لطیف

فاضل جلیل مولانا سردار احمد حسن سعیدی مدظلہ العالی
مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

ناشر
ضیاء العلوم پبلی کیشنز
128 بازار تلواڑاں راولپنڈی
فون: 0333-5166587

نام کتاب	فقہ حنفی اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم
مؤلف	سردار احمد حسن سعیدی
نظر ثانی	مولانا محمد اسحاق ظفر
کمپیوٹر گرافکس	قاضی محمد یعقوب چشتی
پروف ریڈنگ	حبیب الرحمٰن عباسی، اکرام حسین
تعداد	ایک ہزار
صفحات	136
اشاعت	چہارم
قیمت	45روپے
ناشر	سید شہاب الدین شاہ

ضیاء العلوم پبلی کیشنز

یو128 بازار تلواڑاں راولپنڈی

0333-5166587-051-4450404-FAX-051-4580404

Email: ziauloom@isb.paknet.com.pk

☆☆☆

الإهداء والانتساب

میں اپنی اس کتاب کو اپنے والدین کریمین کے نام منسوب کرتا ہوں، اور انہیں کے نام اہداء کرتا ہوں کہ جن کی محبت، شفقت اور بے شمار دعاؤں کے نتیجے میں بندہ اس قابل ہوا۔

اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم سے نوازے اور ان کی دنیاو آخرت کو رونق بخشے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

سردار احمد حسن سعیدی

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم

سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

۲۳/ مارچ ۱۹۹۹ء

فہرست مضامین

۳۔ بدعت کا بیان

۴۔ قے اور دم سائل کے ناقض وضو ہونے کا بیان

۵۔ اذان اور اقامت کا بیان

۶۔ رفع یدین کا بیان

۷۔ نماز میں بوقت قیام ہاتھ باندھنے کا بیان

۸۔ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا بیان

۹۔ آمین بالخفاء کا بیان

۱۰۔ قرأۃ خلف الامام کا بیان

۱۱۔ نماز ظہر کے مستحب وقت کا بیان

۱۲۔ دو نمازیں جمع نہ کرنے کا بیان

۱۳۔ مسافت شرعی کا بیان

۱۴۔ نمازِ وتر اور دعائے قنوت کا بیان

۱۵۔ نمازِ تراویح کا بیان

۱۶ ۔ نماز جنازہ کا بیان

۱۷ ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

☆☆☆☆☆☆

کچھ مؤلف اور مؤلف کے بارے میں

فاضلِ نوجوان مولانا سردار احمد حسن سعیدی سلمہ اللہ تعالیٰ مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی، تدریس و تحقیق کے میدان کے ابھرتے ہوئے شہسوار اور صاحب طرز مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ شعلہ نوا مقرر بھی ہیں۔ ایک عرصہ تک ''رضافاؤنڈیشن لاھور'' کے شعبہ تحقیق و تخریج کے ساتھ منسلک رہنے کی وجہ سے مسائل فقہیہ پر کافی عبور رکھتے ہیں۔ اردو ادب کے ساتھ ان کا لگاؤ عشق کی حد تک ہے۔ ادب و فن میں لکھی جانیوالی ہر تحریر کو اپنے مطالعہ میں لانا ان کا مرغوب مشغلہ ہے۔ قدامت پسندی کی بجائے جدت پسندی کا عنصر غالب ہے مگر اپنے اسلاف کی کاوشوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاھور کی یگانہ روزگار ہستیوں کے خرمنِ علم و تحقیق سے خوشہ چینی کی وجہ سے مسلک اہلسنت کے ساتھ ان کی وابستگی اور اس کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا رگ و پے میں بسا ہوا ہے۔

اس سے قبل بھی مولانا موصوف کے علمی مضامین ''ماہ طیبہ'' و دیگر جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اہلسنت کے معروف اشاعتی ادارے **ضیاء العلوم پبلی کیشنز** کے بانی محترم سید **شہاب الدین** شاہ صاحب کی ایماء پر موصوف نے قربانی کے مسائل و احکامات پر مشتمل تحقیقی مضمون ''**حقیقت قربانی**'' کے عنوان سے تحریر کیا جسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اس کا دوسرا ایڈیشن چھپ رہا ہے۔ زیرِ نظر تصنیف بھی ایک نابغہ روزگار ہستی کی خصوصی ہدایت پر معرض تحریر میں آئی ہے۔

امرِ واقع یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے اعتزال و افتراق کے پروردہ فرقوں نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ اور پاکان امت کی قدر و منزلت کو دلوں سے نکالنے کیلئے طرح طرح کی حیلہ سازیاں اور دسیسہ کاریاں کرتے آرہے ہیں۔

قرونِ اولیٰ سے امت مسلمہ اپنے ائمہ و مجتہدین کے حق پر مبنی اجتہادات اور اقوالِ صواب پر عمل پیرا ہے۔ سلف صالحین نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے تخریج کئے گئے ان مسائل کو ''فقہ'' کے نام سے مرتب کر کے عوام و خواص کی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ فقہی مسائل کسی امام کی شخصی رائے کا نام نہیں بلکہ ان عظیم تحقیقات کا نام ہے جو علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کر لینے کے بعد انہوں نے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے استخراج و استنباط فرمائے۔

اور اگر کسی مسئلے میں آیت یا حدیث میسر نہ آئی تو اپنے اجتہادی قول کے ساتھ احتیاط و اصلاح کیلئے یہاں تک فرما گئے "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کہ جب حدیث صحیح میسر آ جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ و دیگر ائمہ ثلاثہ کا زمانہ حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس سے قریب ترین ہے، بعد کے تمام محدثین کرام نے ان میں سے کسی نہ کسی امام مجتہد کی تقلید کی ہے، اور اس سے گلو خلاصی نہ ہو سکنے کی نشاندہی کی، مگر آج کے غیر مقلدین جو ایک طرف تقلید کو شرک کہتے ہیں دوسری طرف وہ انہی محدثین کی مرویات نقل کرتے ہیں جو "مقلد" ہیں۔

گذشتہ عرصے میں قلعہ نجدیت وہابیت کے ریال کی ریل پیل نے فساد و افتراق کا ایسی فضا برپا کر رکھی ہے کہ عوام الناس پریشان و ششدر ہیں۔ "حقیقت" کو اس انداز سے مسخ کیا گیا ہے کہ علماء و دانشور تک حیرت زدہ نظر آتے ہیں۔ تشہیر پر بے دریغ سرمایہ صرف کیا جاتا ہے کہ وہم و گمان سے بھی بالا ہے۔ اس پر مستزاد کلاشنکوف کلچر ہے جسے ناخواندہ حنفی مسلمانوں کو نجدیت و وہابیت کے کلچر میں ڈھالنے کیلئے بطور رعب استعمال کیا جاتا ہے۔ بے ادبی و گستاخی کا ایسا طوفان برپا ہے کہ "الامان والحفیظ"

لہٰذا ضرورت تھی کہ ایسی تحریر مرتب کی جائے جس میں مسائل فقہیہ کو ان کے ماخذ (احادیث مبارکہ) کے ساتھ یکجا ذکر کیا جائے تاکہ غیر مقلدین وہابیہ کے اس الزام کا ازالہ کیا جاسکے کہ حنفی و اہل سنت کے دیگر مسالک قرآن حدیث سے الگ کوئی شریعت رکھتے ہیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ مولانا موصوف نے بھرپور کاوش سے اس کام کو انجام دیا ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ کریم مولانا سردار احمد حسن سعیدی کو دین متین کی مزید خدمت مقبولہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

حافظ محمد اسحاق ظفر
(جنرل سیکرٹری)
تنظیم علماء ضیاء العلوم (العالمی)
۵ / محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

دسمبر ۹۸ء کی ایک مبارک محفل میں محسن اہل سنت، استاذ العلماء حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ نے مجھے حکم دیا کہ :

" فقہ حنفی کے چند مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ایسی کتاب مرتب کرو جس میں ان مسائل سے متعلق دلائل وروایات مختصر وضاحت کے ساتھ یکجا ہو جائیں ، تاکہ طلبہ وطالبات اور عوام الناس اس سے استفادہ کر سکیں" ۔

سو میں نے اس کام کو شروع کر دیا اور اللہ کے فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کی عنایت خاص سے رمضان المبارک کے مقدس مہینے کی بابرکت ساعتوں کے طفیل یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس کتاب کے آغاز سے قبل اپنے قارئین سے چند باتیں عرض کرنا بہت ضروری ہیں ؛ تاکہ بوقت مطالعہ فہم مطالب میں آسانی رہے۔

☆ " **تقلید**" کے بغیر عام مسلمان کے لئے شریعت پر عمل پیرا ہونا ناممکن سی بات ہے کیونکہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم وفنون کے علاوہ بے پناہ صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ظاہر ہے عام آدمی ان خوبیوں سے بہرہ مند نہیں ہوتا۔

یاد رہے ! قرآن وحدیث کے اردو تراجم پڑھ کر کوئی بھی "عالم" نہیں بن سکتا، اور نہ ہی مروجہ علوم دینیہ کی چند درسی کتب میں معمولی مہارت حاصل کر کے "فقاہت" کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں علوم وفنون کے ماہر ہونے اور بہت سی دوسری خوبیوں کے باوصف آج کے علماء وارباب حکمت ودانش "بابِ اجتہاد" کے وا ہونے کے باوجود اس میں قدم رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کے لئے ائمہ مجتہدین کی "تقلید" ضروری ہے۔

اس موقع پر حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ میں پیش آنیوالا ایک اہم واقعہ میری اس بات کی تائید کر رہا ہے کہ جب ایک "غیر مقلِد" عالم جو اتفاق سے " نابینا" تھے آپ کے پاس آئے اور اہل سنت کے مذہب

مہذّب سے متعلق اپنی رائے یوں بیان کی :

" آپ لوگ قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے تاویلیں کرتے ہو"

مزید براں تقلید شخصی کے متعلق اعلحضرت گولڑوی" سے کہا" آپ اتنے بڑے فاضل ہو کر بھی "تقلید" کرتے ہیں ؟" اعلحضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک ہی بات سے نابینا غیر مقلد کو لاجواب کر دیا۔ فرمایا :

" حافظ صاحب آپ ہی ایک آیت کریمہ کا لفظی ترجمہ کر دیجئے بات ختم ہو جائے گی"

ارشاد خداوندی ہے :" ومن کان فی ھذہ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی واضل سبیلا" سورہ الاسراء پ ۱۵ (جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور گمراہ، سیدھی راہ سے بھٹکا ہو گا)

حافظ صاحب مارے شرمندگی کے کچھ نہ کہہ سکے ۔ اگر لفظی ترجمہ کرتے ہیں تو اپنے آپ پر بات چسپاں ہوتی ہے اور اگر اعمیٰ سے "دل کا اندھا" مراد لیتے ہیں تو یہ " تاویل " بنتی ہے۔ غیر مقلد نابینا کے مبہوت ہونے پر حضرت قبلہ پیر صاحب نے فرمایا : حافظ صاحب ! آپ خود اندازہ لگالیں کہ میں...... آپ کے بقول...... بڑا عالم وفقیہ ہونے کے باوجود ائمہ مجتہدین کی تقلید کا محتاج ہوں تو آپ اپنے متعلق خود سوچ لیں کہ آپ کو تقلید کی کتنی احتیاج اور ضرورت ہے ؟

☆ حدیث کی بہت سی اقسام ہیں لیکن ان میں سے " حدیث صحیح " اور " حدیث ضعیف " کا تذکرہ عموماً ہوتا رہتا ہے اہل علم اس بات سے آگاہ ہیں کہ حدیث صحیح قابل عمل اور قابل حجت ہوتی ہے، جبکہ حدیث ضعیف سے بھی فضائل ثابت ہوتے ہیں اور بسا اوقات حدیث ضعیف ، مرجحات و قرائن کی وجہ سے حدیث حسن اور حدیث صحیح کے مرتبے میں آجاتی ہے اور اس سے احکام اور مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ یعنی وہ ہر لحاظ سے قابل حجت بن جاتی ہے۔ لیکن اکثر مسلمان جو حدیث کے علم سے آگاہی نہیں رکھتے اس اہم بات سے ناواقف ہیں۔

☆ اکثر لوگ جو علم حدیث کی اصطلاحات و قواعد سے پوری طرح آشنائی نہیں رکھتے...... یہ سمجھتے ہیں کہ صحیح حدیث صرف بخاری ، مسلم یا صحاح ستہ کی

دوسری کتب میں ہی ہو سکتی ہیں اور حدیث کی بقیہ کتب "حدیث صحیح" سے بالکل خالی ہیں۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے ؛ کیونکہ کتب حدیث کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب ہے اور ان تمام کتابوں میں بھی بے شمار صحیح احادیث موجود ہیں۔ لہذا یہ خیال کہ صحیح حدیث...... معیار و پرکھ کے اعتبار سے...... صرف بخاری و مسلم میں بند ہے۔ درست نہیں۔ ان دونوں کتابوں کو اولیت و ترجیح حسنِ عقیدت کی وجہ سے ہے۔ وگرنہ اگر تحقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کی دوسری کتب میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کی سندیں ضعیف ہیں ۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ "تابعی" ہیں انہوں نے جو احادیث روایت کی ہیں وہ براہ راست صحابہ کرام سے یا تابعین سے روایت کی ہیں اور صحابہ کرام یا تابعین کے بارے میں اس قسم کا تصور نا ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی راوی " ضعیف " بھی ہوگا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں اگر بعد کا کوئی راوی ضعیف ہے تو بھی اس حدیث کی صحت پر کوئی شک نہیں کیا جا سکتا ؛ کیونکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تک کے تمام راوی ثقہ ، عادل ، تام الضبط ہونے کی وجہ سے وہ حدیث صحیح شمار کی جائے گی۔ اور بلا خوف و خطر اس پر عمل کیا جائے گا ۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو تمام ائمہ مجتہدین اور ائمہ حدیث میں اس وجہ سے بھی فوقیت حاصل ہے کہ وہ تابعین میں سے ہیں انہوں نے صحابہ کرام کا زمانہ پایا اس لئے ان کی روایات زیادہ قوی اور قابل توجہ ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی حدیث سے امام اعظم جیسے عظیم مجتہد اور محدث کا استدلال کرنا یقیناً اس حدیث کے صحیح ترین ہونے کی دلیل ہے ۔

میں نے اس کتاب میں چند مسائل کو احادیث کی روشنی میں واضح کیا ہے اگرچہ بعض مقامات پر اقوال صالحین اور علمائے کرام کی رائے کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اکثر دلائل کا تعلق احادیث مبارکہ سے ہے اسی مناسبت سے میں نے استاذی المکرم حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے فرمان کے مطابق اس کتاب کا نام "**فقہ حنفی** اور **حدیث** رسول " رکھا ہے مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ایک عام مسلمان کو بھی مذکورہ مسائل سے متعلق کچھ احادیث مبارکہ

دیکھنے اور یاد کرنے کو نہایت آسانی سے دستیاب ہو جائیں گی ۔

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص تفصیلی دلائل اور نقد و جرح کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ شرح معانی الآثار، صحیح بھاری عمدۃ القاری، مرقاۃ المفاتیح ،شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی، تفھیم البخاری، ھدایہ، فتح القدیر ،ردالمحتار ،فتاوی رضویہ، جاء الحق اور ان جیسی بے شمار دوسری کتبِ احناب کی طرف رجوع کرے یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے دل و دماغ کو روشن فرمائے گا ۔

آخر میں اپنی اس کتاب کے مکمل ہونے پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے اس کتاب کے مرتب کرنے کی توفیق بخشی اور ان انتہائی شفیق ہستیوں کا بھی احسان مند ہوں جنہوں نے میری راہنمائی کی ، بالخصوص مخدومِ زمان محسنِ اہلسنت استاذی المکرم علامہ **مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی**، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا **سید حسین الدین شاہ** سلطان پوری، استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا **محمد یعقوب ہزاروی**؛ حضرت علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی، مولانا محمد اسحاق ظفر اور مولانا محمد اسلام سعیدی کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازا اور میرے ساتھ بھر پور تعاون کیا ۔ اللہ رب العزت سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے ۔

آمین بجاہ النبی سید المرسلین ﷺ

سردار احمد حسن سعیدی

۲۳ / مارچ ۱۹۹۹ء

حدیث کا بیان

مسئلہ :- حدیث صحیح ، حدیث حسن اور حدیث ضعیف تینوں قابل اعتبار اور قابل حجت ہیں ۔

حدیثِ رسول ﷺ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ ہماری معاشرت ، سیاست ، معیشت، عبادت، تعلیم ، تبلیغ ، اخلاقیات ، اقتصادیات ، صنعت و حرفت ، زراعت، جہاد اور اس نوعیت کے تمام معاملات کا دارومدار حدیث رسول ﷺ پر ہے۔ علاوہ ازیں حدیث ، قرآن مجید کی تفسیر ہے اور حدیث کے بغیر قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہے ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾

یعنی تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ عمل ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

﴿ مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

رسول ﷺ تم کو جو دیں وہ لے لو اور جس بات سے روکیں اس سے رک جاؤ ۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اطاعت رسول کا حکم دیا ہے۔ حدیث رسول کی اس اہمیت اور احتیاط کے پیش نظر علمائے حدیث اور مجتہدین نے بڑی تحقیق کی ہے اور انتہائی چھان بین کے بعد حدیث کو بعض اقسام میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ مسائل واحکام کو

سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں دشواری نہ ہو۔

اگرچہ حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسی ہیں جن سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

حدیث کا لغوی معنی :- بات کرنا، کلام کرنا۔

حدیث کی شرعی تعریف :- وہ کلام جس میں رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

"**قول**" سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے کسی بات کا حکم دیا ہو جیسے آپ نے فرمایا: "سوادِ اعظم کی اتباع کرو"۔

"**فعل**" سے مراد یہ ہے کہ کوئی کام حضور علیہ السلام نے خود کیا ہو۔ جیسے: حضور علیہ السلام نے حج اور جہاد کیا۔ نماز ادا کی۔

"**تقریر**" سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا کام جس کا حضور علیہ السلام نے نہ حکم دیا ہو نہ خود کیا ہو لیکن وہ کام آپ کے سامنے کسی اور شخص نے کیا ہو اور آپ نے منع نہ فرمایا ہو بلکہ خاموشی اختیار فرمائی ہو جیسے حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ چومے اس پر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

فائدہ :- بعض محدثین کے نزدیک صحابی اور تابعی کے قول، فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔

حدیث صحیح کی تعریف :- وہ حدیث جس کے تمام راوی۔ متصل۔ عادل و ثقہ۔ تام الضبط ہوں اور وہ حدیث شاذ نہ ہو۔

حدیث حسن کی تعریف :- وہ حدیث جس کے کسی راوی میں حدیث صحیح کی صفت تام الضبط نہ پائی جاتی ہو۔

حدیث ضعیف کی تعریف :- وہ حدیث جس کے کسی راوی میں صحیح کی ایک سے زیادہ صفات موجود نہ ہوں۔

صحیح۔ حسن اور ضعیف حدیث کی یہ تینوں قسمیں قابل اعتبار اور قابل حجت ہیں۔

☆ حدیث صحیح سے احکام یعنی کسی شے کا حلال و حرام ہونا اور فضائل ثابت ہوتے ہیں۔

☆ حدیث حسن سے بھی احکام اور فضائل ثابت ہوتے ہیں۔

☆ حدیث ضعیف سے صرف فضائل ثابت ہوتے ہیں۔

البتہ بعض صورتوں میں حدیثِ ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔ اور اس سے احکام بھی ثابت ہوتے ہیں۔

نمبر ۱ :- کوئی حدیثِ ضعیف اگر متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ کبھی حسن لغیرہ اور کبھی صحیح لغیرہ بن جاتی ہے۔ متعدد سندوں سے مراد بہت زیادہ نہیں بلکہ دو ہی سندیں کافی ہیں۔

میزان الشریعۃ الکبریٰ میں ہے :

" قَدْ اِحْتَجَّ جُمْهُوْرُ الْمُحَدِّثِیْنَ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ إِذَا کَثُرَتْ طُرُقُهٗ وَالْحَقُوْهُ بِالصَّحِیْحِ تَارَةً وَ بِالْحَسَنِ أُخْرٰی "

بے شک جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو کثرت طرق سے حجت مانا ہے اور اسے کبھی صحیح اور کبھی حسن کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

(میزان الشریعہ الکبری جلد ۱ ص ۶۸ مصطفی البابی)

فتح القدیر میں ہے :

" وَأَیْضًا تَعَدُّدُ طُرُقِ الْحَدِیْثِ یَرْفَعُهٗ إِلَی الْحَسَنِ "

اور ایسے ہی حدیث ضعیف کئی طرق سے مروی ہو تو وہ درجہءِ حَسن کو پہنچ جاتی ہے ۔

(فتح القدیر جلد ۲ ص ۴۲۰)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے :

"تَعَدُّدُ الطُّرُقِ يُبَلِّغُ الْحَدِيْثَ الضَّعِيْفَ اِلٰى حَدِّ الْحَسَنِ"

متعدد روایتوں سے آنا ضعیف حدیث کو درجہ ء حسن تک پہنچا دیتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد ۳ ص ۱۸)

فائدہ :- حسن لغیرہ حدیثِ حسن کی اور صحیح لغیرہ حدیثِ صحیح کی قسم ہے ۔

نمبر ۲ :- حدیثِ ضعیف پر اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی اس میں قوت آجاتی ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی" جامع ترمذی میں جگہ جگہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ (اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے) یعنی اہل علم کے عمل کرنے سے یہ حدیث قوی ہو گئی ہے

مرقاۃ المفاتیح میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے :

"وَقَالَ النَّوَوِيُّ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ ...... فَكَاَنَّ التِّرْمِذِيَّ يُرِيْدُ تَقْوِيَةَ الْحَدِيْثِ بِعَمَلِ اَهْلِ الْعِلْمِ"

امام نووی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند ضعیف ہے...... فرماتے ہیں : گویا کہ امام ترمذی اہل علم کے عمل سے اس حدیث کی تقویت کا ارادہ فرمارہے ہیں ۔

(مرقاۃ المفاتیح جلد ۳ ص ۹۸)

نمبر ۳ :- مجتہد کسی حدیثِ ضعیف سے استدلال کرے تو وہ حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن عابدین رد المحتار میں فرماتے ہیں :

کسی حدیثِ ضعیف سے مجتہد کا استدلال اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری بحوالہ رد المحتار جلد ۱ ص ٤٤)

شرح النقایہ میں ہے :

"فَلَقَدْ اَكْثَرَ الْاِمَامُ اَبُوْاِسْحَاقَ فِيْ الْمُهَذَّبِ وَالْاِمَامُ الْحَرَمَيْنِ فِيْ النِّهَايَةِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ ذِكْرِ الْاِسْتِدْلَالِ بِالْاَحَادِيْثِ الضَّعِيْفَةِ"

مہذب میں امام ابو اسحٰق اور نہایہ میں امام الحرمین نے اکثر احادیث ضعیفہ سے استدلال ذکر کیا ہے۔

(شرح النقایہ جلد ۱ ص ۸)

ملا علی قاری شرح النقایہ میں لکھتے ہیں :

" بَلْ صَرَّحَ اِمَامُ الْحَرَمَيْنِ عَنْ حَدِيْثٍ ضَعِيْفٍ بِأَنَّه صَحِيْحٌ"

بلکہ امام الحرمین نے تصریح کی ہے کہ حدیث ضعیف بھی صحیح ہی ہوتی ہے۔(یعنی اس کا ضعف صحت کے منافی نہیں) (شرح النقایہ جلد ۱ ص۸)

نمبر ٤ :-صالحین کے عمل سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہو جاتی ہے جیسا کہ صلوٰۃ تسبیح ضعیف حدیث سے ثابت ہے لیکن اس ضعیف حدیث پر حضرت امام عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد دوسرے متقین اور صلحاء کے عمل کرنے سے اس حدیث کو قوت مل گئی اور اب تمام مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں ۔امام حاکم نیشاپوری نے المستدرک میں اس بات کی وضاحت کی ہے

نمبر ٥ :- اولیائے کرام کے کشف سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہو جاتی ہے ۔ ملا علی قاری نے شیخ ابن عربی کے حوالے سے کشف کا ایک واقعہ

ذکر کیا ہے، اور شیخ ابن عربی کا قول بھی نقل کیا ہے :

"قَالَ الشَّیْخُ فَعَرَفْتُ صِحَّۃَ الْحَدِیْثِ بِصِحَّۃِ کَشْفِہٖ "

میں نے اس حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف کی صحت سے جان لیا۔

(مرقاۃ المفاتیح جلد ۳ ص ۹۹)

نمبر ٦ :- جس حدیث کو امت نے قبول کر لیا ہو وہ ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے :

جو حدیث جماعت ائمہ سے منقول ہو اور امت نے اس کو قبول کر لیا ہو وہ حدیث بھی قطعی ہے ۔

(شرح صحیح مسلم بحوالہ اختصار علوم الحدیث مع الباعث الحثیث جلد ۱ ص ١٦٧)

فتح المغیث میں علامہ سخاوی فرماتے ہیں :

" اِذَا تَلَقَّتِ الْاُمَّۃُ الضَّعِیْفَ بِالْقَبُوْلِ یُعْمَلُ بِہٖ عَلَی الصَّحِیْحِ حَتّٰی اَنَّہٗ یَنْزِلُ مَنْزِلَۃَ الْمُتَوَاتِرِ "

جب ضعیف حدیث کو امت نے قبول کر لیا ہو، تو صحیح مذہب کے مطابق اس پر عمل کیا جائے گا اور وہ حدیث ضعیف بمنزلہ حدیث متواتر کے ہو گی ۔

(فتح المغیث تنبیہات جلد ۱ ص ٢٦٨)

اس سے معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث بھی قابل حجت اور قابل عمل ہوتی ہے اور ہر حدیث کو بغیر تحقیق اور غور و فکر کے " ضعیف " کہہ دینا اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے سے دور رکھنا بہت بڑی جہالت اور انتہائی لا علمی بلکہ گمراہ کن بات ہے۔

فائدہ :- یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث ضعیف میں احتیاط حدیث کے الفاظ و مفہوم کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ حدیث روایت کرنے والوں میں

سے کسی کی کمزوری کی وجہ سے احتیاط کی جاتی ہے۔لہذا ہر مسلمان کو بہت احتیاط کرنی چاہئے اور حدیث کو ضعیف کہتے وقت متکبرانہ اور تحقیرانہ انداز اپنانے سے بچنا چاہئے۔ اور حدیث ضعیف کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے سے بھی بچنا چاہئے ! نیز حضور علیہ السلام اور آپ کی حدیث کا ادب واحترام ہر حال میں پیش نظر رکھنا چاہئیے۔

علاوہ ازیں علمائے کرام فرماتے ہیں یہ نہ کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث کسی اور سند کے اعتبار سے صحیح ہو نیز سند ہی کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ متن حدیث کو بھی دیکھنا چاہئے، تاکہ حدیث رسول کے بارے میں کسی قسم کی کوتاہی اور سستی نہ ہو ۔

مسئلہ :- ہر وہ شخص جو قرآن و حدیث کا عالم نہیں اور وہ عالم جو غیر مجتہد ہے، کے لئے کسی امام مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے مسائل اخذ کرنے کے لئے بہت سے علوم و فنون میں مہارت تامہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اپنی ساری زندگی وقف بلکہ خرچ کرنا پڑتی ہے اور ظاہری بات ہے کہ ہر شخص اپنے معاشرتی مسائل اور معاشی ضروریات و مصروفیات کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا اس لئے فروعی مسائل کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ان کا ائمہ مجتہدین کی پیروی اور تقلید کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

<u>تقلید کا لغوی معنیٰ</u> :- ہار پہنانا، گلے میں پٹہ ڈالنا۔

<u>فقہی تعریف</u> :- کسی شخص کی بات پر بغیر دلیل اور حجت کے عمل کرنا۔

علامہ عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں :

"أَنَّ التَّقْلِيْدَ هُوَ قَبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ مَعْرِفَةِ دَلِيْلِهِ"

کسی کے قول کو دلیل کے پہچانے بغیر قبول کر لینا تقلید ہے۔

(خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد ص ٤)

وہ مسائل جن میں تقلید جائز نہیں

عقائد اور وہ احکام شرعیہ جو قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہیں ان

میں کسی کی تقلید جائز نہیں ۔

عقائد : جیسے توحید، رسالت، قیامت، جنت دوزخ، وجود ملائکہ وغیرہ۔

شرعی احکام : جیسے نماز ، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت۔ سود، خنزیر، شراب اور زنا کی حرمت ۔

وہ مسائل جن میں تقلید ضروری ہے

تمام فروعی مسائل جن کا تعلق عقائد اور اصولِ دین سے نہ ہو اور وہ قرآن وحدیث سے اجتہاد کے ذریعے اخذ کیے جائیں۔ ان مسائل میں کسی امام مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے : جیسے امام کے پیچھے قراَۃ نہ کرنا، تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہ کرنا، آمین آہستہ کہنا ، قراَۃ سے پہلے ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ آہستہ پڑھنا، نمازِ جنازہ میں قراَۃ نہ کرنا۔

وہ مسلمان جس کے لئے تقلید ضروری ہے

ہر ایسا شخص جس میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں ، چاہے وہ عالم ہے یا کوئی عام مسلمان، اس کے لئے تقلید ضروری ہے۔

(خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد ص ٦)

قرآن مجید سے تقلید کا ثبوت :

اللہ رب العزت کا ارشادِ پاک ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ﴾

اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ ﷺ کی اور انکی جو تم میں سے صاحبِ حکم ہیں ۔

(القرآن سورة النساء آیت ٥٩)

سورۃ النساء میں ہے:

﴿ وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَ إِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾

اور اگر وہ رسول کی طرف اور اپنے ان حکم والوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور جان لیتے اس کی حقیقت، وہ لوگ جو اس کی کوشش کرتے ہیں۔

(القرآن سورۃ النساء آیت ۸۳)

سورۃ الأنبیاء میں ہے:

﴿ فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

دریافت کرو تم اہل علم سے اگر تم کو علم نہیں۔

(القرآن سورۃ النحل آیت ۴۳، سورۃ الأنبیاء آیت ۷)

یہ آیات مبارکہ "تقلید" کے واجب ہونے کے بارے میں بہت واضح دلیل ہیں۔ مفسرین کرام کے مطابق۔ أُولِي الْأَمْرِ۔ أَهْلَ الذِّكْرِ اور مُسْتَنْبِطِيْن سے مراد علماء اور مجتہدین ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو شخص اولوالامر، اہل ذکر اور اِسْتِنْبَاط کرنے والوں میں سے نہیں اس کے لئے تقلید ضروری ہے۔

امام صاوی تفسیر الصاوی علی الجلالین میں فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ یعنی حنفی۔ مالکی۔ شافعی اور حنبلی مذہب کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز ہی نہیں اور جو ان مذاہب سے خارج ہے۔ وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ ﴾

جو اللہ اور رسول کا حکم مانے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا یعنی انبیاء، صدیقین ، شہداء اور نیک لوگ ۔

(القرآن سورۃ نساء آیت ۶۹)

سورۃ لقمان میں ہے :

﴿ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ﴾

اور اتباع کر اس کی جس نے میری طرف رجوع کیا۔

(القرآن ۔ سورۃ لقمان آیت ۱۵)

سورئہ بنی اسرائیل میں ہے :

﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ﴾

جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

(القرآن سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۱)

تفسیر قرطبی میں اس آیت کے تحت علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اماموں کے نام سے پکارے گا جن کی دنیا میں انہوں نے تقلید اور پیروی کی ہوگی اور ان کو یوں پکارا جائے گا۔ اے حنفیو! اے شافعیو! اے معتزلیو !

(سورہ بنی اسرائیل الجزء العاشر ص ۲۹۷)

سورۃ البقرۃ میں ہے :

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾

اللہ تعالیٰ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے مطابق ۔

(القرآن سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶)

مذکورہ بالا تمام آیات " تقلید " کے وجوب پر نہایت واضح دلیل ہیں دیگر علمائے قرآن (مفسرین) نے بھی ان آیات کے تحت یہی لکھا ہے یعنی کہ "تقلید" ضروری ہے۔

حدیث رسول سے تقلید کا ثبوت

مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:۔

”عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ يَقُوْلُ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ سَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِيْ إِخْتِلَافاً شَدِيْداً فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ“

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے بعد بہت اختلاف دیکھو گے پس تم پر میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام جلد ۱ ص ۳۰)

مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:

”عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ إِفْتَاهُ“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے علم کے بغیر فتوی دیا تو اس کا گناہ فتویٰ پوچھنے والے پر ہے“

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم جلد ۱ ص ۳۵)

صحیح بخاری میں ہے:

”يُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِئْتَمُّوْنِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ“

رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے تم میری اقتداء کرو اور جو تمہارے بعد آئیں وہ تمہاری اقتداء کریں۔

(صحیح بخاری باب الرجل یاتم بالامام و یاتم الناس بالماموم جلد ۱ ص ۹۹)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

”اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ أَهْلِ الْعِلْمِ“

تمہارے لئے اہل علم بزرگوں کی پیروی اور معیت میں برکت ہے۔

(جامع صغیر)

علامہ اقبالؒ اسی وجہ سے فرما گئے :

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر ☆ اقتداء بر رفتگاں محفوظ تر

مشکوٰۃ المصابیح میں ہے :

" إتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعظَمَ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ "

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سوادِ اعظم کی اتباع کرو جو سوادِ اعظم سے علیحدہ ہوا آگ میں ڈالا جائیگا۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام جلد ۱ ص ۳۰)

یہ تمام احادیث جو بیان کی گئی ہیں ان میں تقلید کا بہت ہی واضح ثبوت موجود ہے جس کو سمجھنے کے لئے کسی تگ و دو اور محنت کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن و حدیث کے علاوہ تقلید کے واجب ہونے کے لئے یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ بڑے بڑے مفسرین ، فقہاء اور ائمہ و محدثین کرام کسی نہ کسی امام مجتہد کے مقلد ہیں ؛ حتی کہ امام بخاری اور امام ترمذی جیسے عظیم محدثین بھی امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ جیسا کہ غیر مقلدین کے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالی "ابجد العلوم" میں کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔

نیز تابعین کرام سے لے کر آج تک تقریباً تمام مسلمان آئمہ مجتہدین کی تقلید کرتے چلے آئے ہیں اور ویسے بھی کسی مسلمان کا ائمہ کی تقلید کے بغیر زندگی گزارنا اور شریعت پر عمل پیرا ہونا ناممکن سی بات ہے۔

علاوہ ازیں غیر مقلدین تقلید کی شدید مخالفت کے باوجود خود ائمہ حدیث اور علمائے کرام کی تقلید اور پیروی کرتے ہیں ہر مسئلہ میں محدثین اور دوسرے اسلاف کی عبارات کو دلیل بناتے ہیں کس حدیث کی سند قوی ہے اور

کس حدیث کی سند ضعیف ہے اقوال صالحین اور ائمہ کرام کی رائے کو ہی بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اور اسی کا نام تقلید ہے ۔

غیر مقلدین کے نزدیک تقلید ناجائز اور حرام ہے۔ وہ مقلدین کو انتہائی غلط اور نا قابل اعتبار بلکہ "مشرک" سمجھتے ہیں ۔ گویا کہ غیر مقلدین کے نزدیک تقلید بہت بڑا عیب اور نا قابل معافی جرم ہے۔ بلکہ شرک اور حرام ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ تقریباً تمام محدثین کرام اور ان کی کتب میں بیان کی گئی احادیث کے تمام راوی کسی نہ کسی امام مجتہد کے مقلد ہیں، مگر تقلید کو حرام کہنے والے ...... غیر مقلدین ...... ان مقلدین کی روایت کردہ احادیث کو بڑے فخر کے ساتھ اپنے مسلک کے ثبوت کے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور ان کی روایتوں کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔

تقلید کے مخالفین سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ایسی احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کریں جن کے راوی مقلد نہ ہوں۔

میرا خیال غالب یہی ہے کہ کتب احادیث میں شاید ہی کوئی ایسی حدیث اور روایت موجود ہو جس کو غیر مقلدین اپنی مسلک کے ثبوت کے لئے بطور دلیل پیش کر سکیں۔

☆☆☆☆☆

بدعت کا بیان

مسئلہ :- بدعت سئیہ سے بچنا ضروری ہے جبکہ بدعتِ حسنہ پر عمل کرنا مستحب ہے۔

اسلام ایک وسیع مذہب ہے۔" الدین یسر " دین آسان ہے۔ اس میں اتنی شدت اور سختی نہیں کہ زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے۔ اور نہ اتنی آزادی کہ اپنی غلط خواہشات کو دین کا حصہ سمجھا جائے۔ اسلام ایک نفیس مذہب ہے جو ہر برے کام سے روکتا ہے اور نیکی کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ ہر ایسے کام کے اپنانے کو صحیح سمجھتا ہے ...... جس میں اچھائی کا پہلو موجود ہو بشرطیکہ وہ کام شریعتِ مطہرہ اور سنتِ رسول ﷺ کے خلاف نہ ہو ...... اگرچہ وہ حضور ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں نہ کیا گیا ہو۔

بدعت کا لغوی معنی :- نیا کام ، نئی ایجاد، نئی بات ۔

بدعت کا شرعی معنی :- ہر وہ کام جو حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات مبارکہ میں نہ ہو بلکہ بعد میں ایجاد ہوا ہو ۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں

(۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ

بدعت حسنہ کی تعریف :- ہر وہ طریقہ جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو بعد میں ایجاد ہوا ہو۔ اور وہ کام شریعت کے خلاف نہ ہو۔ جیسے نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنا، قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے بہت سے دوسرے علوم وفنون پڑھنا اور سیکھنا، دینی مدارس قائم کرنا۔ قرآن مجید کے اعراب کا لگایا

جانا ، کمپیوٹر اور ٹیلی ویژن کو دین کی ترویج کے لئے استعمال کرنا ۔

کشاف اصطلاحات الفنون میں امام شافعیؒ کے حوالے سے ہے :

"وَمَا اَحْدَثَ مِنَ الْخَيْرِ وَلَمْ يُخَالِفْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ الْبِدْعَةُ الْمَحْمُوْدَةُ "

اور وہ بدعت جو کتاب اللہ ، سنت ، اجماع یا اثر صحابہ کے خلاف نہ ہو تو یہ بدعت حسنہ ہے ۔

(کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۱ ص ۱۳۳)

نیل الاوطار میں ہے :

"وَالتَّحْقِيْقُ اَنَّهَا اِنْ كَانَتْ مِمَّا يَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَحْسِنٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ حَسَنَةٌ "

اور تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت کسی ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے ۔

(نیل الاوطار باب صلوۃ التراویح جلد ۳ ص ۵۷)

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں :

" مَا كَانَ وَاقِعًا تَحْتَ عُمُوْمِ مَّانَدَبَ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَخَصَّ عَلَيْهِ اَوْ رَسُوْلُه ﷺ فَهُوَ فِيْ حِيْزِ الْمَدْحِ وَمَا لَمْ يَكُنْ لَه مِثَالٌ مَوْجُوْدٌ كَنَوْعٍ مِنَ الْجُوْدِ وَالسَّخَاءِ وَفِعْلِ الْمَعْرُوْفِ فَهُوَ مِنَ الْاَفْعَالِ الْمَحْمُوْدَةِ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ خِلَافِ مَاوَرَدَ الشَّرْعُ بِهٖ "

وہ کام جو ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو ، یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا "محمود" ہے اور جن کاموں کی مثل پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام پس وہ اچھے کام ہیں۔ بشرطیکہ وہ خلافِ شرع نہ ہوں ۔

(النهايه باب الباء مع الدال جلد ۱ ص ۱۰۶)

تفسیر روح البیان میں ہے :

”جَمِيْعُ مَا ابْتَدَعَهُ الْعُلَمَاءُ وَالْعَارِفُوْنَ وَلاَ يُخَالِفُ السُّنَّةَ فَهُوَ مَحْمُوْدٌ“

ہر وہ کام جسے علماء اور عارفین ایجاد کریں اور وہ سنت کے خلاف نہ ہو تو یہ اچھا کام ہے ۔ (روح البیان)

بدعتِ حسنہ پر عمل کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے

ابوداؤد الطیالسی میں ہے :

”مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ“

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔ اور ان کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی ۔ (ابو داؤد الطیالسی الجزء الثانی ص ۹۳)

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہر وہ اچھا کام جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں نہ ہو بعد میں ایجاد ہوا ہو۔ اور شریعت کے مخالف نہ ہو تو ایسے کام کو اپنانا اور ایجاد کرنا دونوں باعث اجر ہیں ۔

علاوہ ازیں جو کام نیا ہو اور کتاب و سنت میں اس کے بارے میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو تو مجتہدین اور اہل اللہ کو اس کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو سکے وہ نیا کام ” بدعت حسنہ “ ہے یا کہ ” بدعت سیئہ “ ۔

سننِ دارمی میں ہے :

”عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْأَمْرِ يُحْدَثُ لَيْسَ فِيْ كِتَابٍ وَلَا سُنَّةٍ فَقَالَ يَنْظُرُ فِيْهِ الْعَابِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ“

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے نئے کام...... جس کی وضاحت کتاب و سنت میں نہ ہو...... کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس امر محدث کے بارے میں عابدین مومنین کو غور و فکر کرنا چاہیے۔

(سنن دارمی باب التورع عن الجواب فی ما لیس فیه کتاب ولا سنة جلد ۱ ص ٥٤)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نئے کام کو برا سمجھ کر رد نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے لئے یہ واضح حکم موجود ہے کہ مجتہدین اور اہل اللہ اس کے بارے میں فیصلہ کریں۔

اسی بناء پر امام نووی اور دوسرے بہت سے ائمہ نے بدعت کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) بدعتِ واجبہ (۲) بدعتِ مندوبہ (۳) بدعتِ مباحہ
(۴) بدعتِ مکروہہ (۵) بدعتِ حرام

ایک اور حدیث میں ہے:

"مَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ"

جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔

(همعات از شاہ ولی اللہ محدث دهلوی ص ۲۹)
(موطا امام محمد باب قیام شهر رمضان ص ١٤٤)

امام کاسانیؒ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

"اِتِّبَاعُ مَا اشْتَهَرَ الْعَمَلُ بِهٖ فِي النَّاسِ وَاجِبٌ"

جو عمل لوگوں میں مشہور ہو جائے جبکہ شریعت کے مطابق ہو، اس کی اتباع ضروری ہے۔

(بدائع الصنائع فصل فی بیان ما یستحب فی یوم العید الجزء الاول ص ۲۸۰)

شیخ وحید الزمان جو غیر مقلدین کے "امام" ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بدعت حسنہ کو دانتوں سے (مضبوطی سے) پکڑ لینا چاہئے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ السلام نے اس کو واجب کئے بغیر اس پر برانگیختہ کیا ہے جیسے نماز تراویح۔ (ھدیۃ المھدی ص ۱۱۷)

علامہ عینی نے بھی فرمایا ہے کہ جو کام شریعت کے مخالف نہ ہو تو وہ "بدعت حسنہ" ہے۔

ان تمام احادیث مبارکہ اور اقوالِ صالحین سے یہ بات نہایت آسانی سے معلوم ہو رہی ہے کہ ہر ایسا عمل جو حضور علیہ السلام کے زمانہ ء اقدس میں نہیں تھا بلکہ بعد میں ایجاد ہوا ۔ اگر وہ شریعت مطہرہ اور سنت رسول کے مخالف نہیں تو اس پر عمل کرنا مستحب اور بعض صورتوں میں ضروری ہے۔

اور اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان تاریخی الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماہِ رمضان میں نماز تراویح کی جماعت کا اہتمام کیا تو کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ "بدعت" ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا : "نِعۡمَتِ الۡبِدۡعَۃُ ھٰذِہٖ" یہ کتنی اچھی بدعت ہے ۔

بدعتِ سئیہ کی تعریف :- ہر وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ء اقدس میں نہ ہو بلکہ بعد میں ایجاد ہوا ہو اور وہ شریعت کے مخالف ہو ۔ جیسے : عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں جمعہ کا خطبہ پڑھنا ۔

نیل الاوطار میں ہے :

"وَاِنۡ کَانَتۡ مِمَّا یَنۡدَرِجُ تَحۡتَ مُسۡتَقۡبَحٍ فِی الشَّرۡعِ فَھِیَ مُسۡتَقۡبَحَۃٌ"

شیخ وحید الزمان جو غیر مقلدین کے "امام" ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بدعت حسنہ کو دانتوں سے (مضبوطی سے) پکڑ لینا چاہئے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ السلام نے اس کو واجب کئے بغیر اس پر برانگیختہ کیا ہے جیسے نماز تراویح۔ (ھدیۃ المھدی ص ۱۱۷)

علامہ عینی نے بھی فرمایا ہے کہ جو کام شریعت کے مخالف نہ ہو تو وہ "بدعت حسنہ" ہے۔

ان تمام احادیث مبارکہ اور اقوالِ صالحین سے یہ بات نہایت آسانی سے معلوم ہو رہی ہے کہ ہر ایسا عمل جو حضور علیہ السلام کے زمانہ ء اقدس میں نہیں تھا بلکہ بعد میں ایجاد ہوا ۔ اگر وہ شریعت مطہرہ اور سنت رسول کے مخالف نہیں تو اس پر عمل کرنا مستحب اور بعض صورتوں میں ضروری ہے۔

اور اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان تاریخی الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماہِ رمضان میں نماز تراویح کی جماعت کا اہتمام کیا تو کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ "بدعت" ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا : "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ" یہ کتنی اچھی بدعت ہے ۔

بدعتِ سئیہ کی تعریف :- ہر وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ء اقدس میں نہ ہو بلکہ بعد میں ایجاد ہوا ہو اور وہ شریعت کے مخالف ہو۔ جیسے : عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں جمعہ کا خطبہ پڑھنا ۔

نیل الاوطار میں ہے :

"وَاِنْ كَانَتْ مِمَّا يَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَقْبَحٍ فِى الشَّرْعِ فَهِىَ مُسْتَقْبَحَةٌ"

اور اگر بدعت ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح ہے تو یہ "بدعت سئیہ" ہے ۔

(نیل الاوطار باب صلوۃ التراویح جلد ۳ ص ۵۷)

کشّاف اصطلاحاتِ الفنون میں ہے :

"قَالَ الشَّافِعِیُّ رحمہ اللہ تعالیٰ مَا اَحْدَثَ وَخَالَفَ کِتَابًا اَوْ سُنَّۃً اَوْ اِجْمَاعًا اَوْ اَثَرًا فَھُوَ الْبِدْعَۃُ الضَّالَّۃُ"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ بدعت جو کتاب، سنت، اجماع یا اثر صحابہ کے خلاف ہو تو یہ بدعت ضالہ (سئیہ) ہے ۔

(کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۱ ص ۱۳۳)

معلوم ہوا کہ " بدعت " جو گمراہی کا سبب بنتی ہے اور جسے بدعت ضالۃ یا بدعت ضلالۃ کہا گیا ہے وہ اس نئی ایجاد یعنی بدعت پر صادق آتی ہے، جو کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع یا اثر صحابہ کے خلاف ہو ۔

شیخ وحید الزمان " بدعت ضالۃ " کی وضاحت کرتے ہیں :

"وَمِنْھَا مَا ھِیَ تَرْکُ الْمَسْنُوْنِ وَتَحْرِیْفُ الْمَشْرُوْعِ وَھِیَ الضَّلَالَۃُ"

بدعات میں سے ایک بدعت وہ ہے جس سے کوئی سنت متروک ہو اور حکم شرعی میں تبدیلی آئے تو یہی بدعت ضلالۃ (سئیہ) ہے ۔

(ھدیۃ المھدی ص ۱۱۷)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :

ایسا کام جو نیا ہو اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو تو یہ بدعت (سیئہ) ہے ۔

(عمدۃ القاری)

مشکوۃ المصابیح میں ہے :

" مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ "

جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نیا عقیدہ ایجاد کیا کہ جو دین کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام جلد ۱ ص ۲۷)

ایک دوسری حدیث میں ہے :

" مَنْ سَنَّ فِی الاِسْلَامِ سُنَّةً سَیِّئَةً فَعَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یُنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ "

جس نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس کا گناہ ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

(ابو داؤد الطیالسی الجزء الثانی ۹۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ وہ بدعت جس کی مذمت کی جاتی ہے اور جس پر عمل کرنا مکروہ اور ناجائز ہے وہ "بدعت سیئہ" ہے اور حدیث رسول میں جو آیا ہے کہ " ہر بدعت گمراہی ہے" اس سے مراد بھی بدعت سیئہ ہی ہے۔

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں :

" كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ اِنَّمَا يُرِيْدُ مَا خَالَفَ اُصُوْلَ الشَّرِيْعَةِ وَلَمْ يُوَافِقِ السُّنَّةَ "

"ہر نیا کام بدعت ہے" سے وہ نیا کام مراد ہے جو شریعت کے مخالف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو ۔

(النهاية باب الباء مع احوال جلد ۱ ص ۱۰۷)

معلوم ہوا کہ بدعتِ ضلالۃ وہی ہے جو سنت کے مطابق نہ ہو۔ ورنہ دینی مدارس قائم کرنا، قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے دوسرے علوم کو پڑھنا ،

سکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنا، دستارِ فضیلت کے جلسے منعقد کرنا، لاوڈ سپیکر پر دین کی تبلیغ کرنا اور ریڈیو، ٹی وی کے ذریعے دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچانا کیسے صحیح ہوتا۔

☆☆☆☆☆

قے اور دمِ سائل کا ناقضِ وضو ہونا

مسئلہ :- قے اور ایسا خون جو جسم سے نکل کر بہہ جائے وضو کو توڑ دیتا ہے۔

نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کرنا فرض ہے اور بغیر وضو کے نماز ادا نہیں کی جاسکتی وضو نماز کی کنجی ہے وضو کو مومن کی پہچان کہا گیا ہے حدیث کے مطابق جب مسلمان وضو کر کے نماز کی نیت سے مسجد کی طرف جاتا ہے تو ہر قدم پر اس کے درجے بلند ہوتے ہیں ۔ جو شخص حضور علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق وضو کرے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں وضو کچھ اعضاء کے دھونے اور سر پر مسح کرنے کا نام ہے جو بعض چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے قے آجانا اور جسم سے خون کا نکل کر بہنا بھی ان ہی چیزوں میں شامل ہے۔

سنن دار قطنی میں ہے :

"عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ أَوْ قَلَسَ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى مَا مَضٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَتَكَلَّمْ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ فَإِنْ تَكَلَّمَ اِسْتَأْنَفَ"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کسی کو دوران نماز قے یا کھانا آجائے تو وہ واپس آئے اور وضو کرے اگر اس دوران اس نے کوئی بات نہیں کی تو جہاں سے اپنی نماز کو چھوڑا تھا اس پر بنا کرلے اور اگر اس نے کوئی بات کرلی ہے تو پھر نئے سرے سے نماز پڑھے گا ۔ (سنن دار قطنی باب في الوضوء من الخارج في البدن جلد ۱ ص ۱۵۲)

مصنف عبدالرزاق میں ہے :

"عَنْ عَطَاءٍ قَالَ إِنْ قَاءَ اِنْسَانٌ أَوِ اسْتَقَاءَ وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوَضُوْءُ"

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انسان کو قے آجائے یا وہ خود قے کرے تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب ہے۔

(مصنف عبدالرزاق باب الوضوء من القیء والقلس جلد ۱ ص ۱۳۶)

ایک اور حدیث میں ہے:

"عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اِسْتِقَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَفْطَرَ وَأُتِیَ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ"

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی تو روزہ توڑ دیا اور پانی منگوایا پھر وضوء کیا۔

(مصنف عبدالرزاق باب الوضوء من القی والقلس جلد ۱ ص ۱۳۶)

یہ احادیث اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ قے آنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر دورانِ نماز قے آئے تو نمازی دوبارہ وضو کرے اور پھر واپس جا کر نماز مکمل کرے اگر وضو ٹوٹنے کے بعد اس نے کسی قسم کی بات کر لی ہے تو نئے سرے سے نماز پڑھے۔

علاوہ ازیں مصنف عبدالرزاق کی روایت کردہ ایک حدیث میں "وقد وجب علیه الوضوء" اور ایک دوسری حدیث میں "الوضوء من القئی" کے الفاظ آئے ہیں اس سے ایک عام فہم آدمی بھی با آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ قے آنے کی صورت میں دوبارہ وضو کرنا لازم اور ضروری ہے۔

جسم سے خون بہنے کی صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے

سنن دار قطنی میں ہے:

"عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْوُضُوْءُ مِنْ کُلِّ دَمٍ سَائِلٍ"

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بہنے والے خون پر وضو کرنا واجب ہے۔

(سنن دار قطنی باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقی جلد ۱ ص ۱۵۷)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قَالَ لِي عَطَاءٌ تَوَضَّأْ مِنْ كُلِّ دَمٍ خَرَجَ فَسَالَ"

حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عطاء نے مجھ سے کہا کہ اگر خون جسم سے نکلے اور بہہ جائے تو وضو کرنا لازم ہے۔

(مصنف عبدالرزاق باب الوضوء فی الدم جلد ۱ ص ۱۴۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جسم کے کسی بھی حصے سے خون بہنے کی صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر ایسا شخص نماز پڑھنا چاہے یا کوئی ایسا عمل کرنا چاہے جو بغیر وضو کے نہیں ہو سکتا تو اس پر وضو کرنا لازم ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِي يَقُوْلُ اَلْوَضُوْءُ وَاجِبٌ مِنْ كُلِّ دَمٍ قَاطِرٍ ، قَالَ سَمِعْتُ الْحَكَمَ يَقُوْلُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ"

حضرت عبدالعزیز بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت شعبی کو کہتے ہوئے سنا کہ جسم سے خون کے قطرے ٹپکنے کی صورت میں وضو کرنا واجب ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حکم کو کہتے ہوئے سنا کہ جسم سے خون بہنے کی صورت میں وضو کرنا واجب ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ باب اذا سال الدم او قطر فیہ الوضوء جلد ۱ ص ۱۳۷)

مصنف عبدالرزاق میں ہے :

" إِنْ سَالَ الدَّمُ فَلْيَتَوَضَّأْ وَإِنْ ظَهَرَ وَلَمْ يَسِلْ فَلاَ وُضُوْءَ عَلَيْهِ "

بے شک خون بہنے کی صورت میں وضو کرنا لازم ہے اور اگر خون دکھائی دیا لیکن بہا نہیں تو پھر وضو کرنا لازم نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق باب الوضوء من الدم جلد ۱ ص ۱۴۳)

امام ابن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق کی روایت کردہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جسم سے خون نکل کر بہہ جائے یا جسم سے خون کے قطرے ٹپکیں تو ہر حال میں وضو کرنا ضروری ہے اگر بغیر وضو کئے کوئی شخص نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی ۔

سنن ابن ماجہ میں ہے :

" عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ "

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو قے، نکسیر، منہ میں کھانا آجائے یا مذی نکل آئے تو وہ واپس آئے اور پھر سے وضو کرے۔

زجاجۃ المصابیح میں ہے :

" عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَاءَ فَتَوَضَّأَ قَالَ مَعْدَانُ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ فَقَالَ صَدَقَ أَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوْئَهُ "

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو قے ہوئی تو آپ نے وضو کیا۔ حضرت معدان فرماتے ہیں کہ میں مسجد دمشق میں

حضرت ثوبان سے ملا اور حضرت ابودرداء کی اس روایت کا ذکر کیا تو حضرت ثوبان کہنے لگے انہوں نے سچ کہا کیونکہ پانی میں ہی لایا تھا۔

(زجاجۃ المصابیح باب ما یوجب الوضوء جلد ۱ ص ۸۸)

سنن دار قطنی میں ہے :

" عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَلَسَ أَوْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلِيُتِمَّ عَلٰى صَلٰوتِهٖ "

حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو دوران نماز منہ میں کھانا آیا یا قے آئی یا نکسیر آئی تو وہ واپس آکر دوبارہ وضو کرے اور اپنی نماز کو مکمل کرے۔

(سنن دار قطنی باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء جلد ۱ ص ۱۵۷)

مؤطا امام مالک میں ہے :

" عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُسَيْطِ اللَّيْثِيِّ أَنَّهٗ رَأَى سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ رَعَفَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَأَتٰى حُجْرَةَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ فَأُتِيَ بِوَضُوْءٍ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰى عَلٰى مَا قَدْ صَلّٰى "

حضرت یزید بن عبد اللہ قسیط لیثی رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو دوران نماز دیکھا کہ ان کی ناک سے خون بہنے لگا تو وہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آئے پانی منگوایا پھر وضو کیا پھر واپس آکر نماز مکمل کی۔

(موطا الامام مالک باب ما جاء فی الرعاف والقیء ص ۲۶)

ایک اور حدیث میں ہے :

" عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا رَعَفَ اِنْصَرَفَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰى وَلَمْ يَتَكَلَّمْ "

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دوران نماز ناک سے خون آیا تو واپس آکر انہوں نے دوبارہ وضو کیا اور اپنی نماز مکمل کی جب کہ اس دوران انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

(موطا الامام محمد باب الوضوء من الرعاف ص ۶۲)

مذکورہ بالا تمام احادیث اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ جسم سے خون نکل کر بہنے اور قے آنے کی صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے خون ناک سے آئے یا جسم کے کسی اور حصہ سے نکلے۔ گندہ خون ہو یا صاف۔ اگر دوران نماز ایسا ہو تو فوراً نماز سے علیحدہ ہو کر دوبارہ وضو کرنا واجب ہے اور اگر نماز سے خارج میں قے آئی یا خون نکل کر بہہ گیا تو فرض نماز، نفلی نماز، نماز جنازہ، سجدہ تلاوت وغیرہ ادا کرنے اور قرآن پاک کو چھونے کے لئے وضو کرنا واجب ہے اور بغیر وضو ان میں سے کوئی کام بھی کرنا جائز نہیں اور ایسا کرنے والا حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا۔

☆☆☆☆☆

ازان اور اقامت کا بیان

مسئلہ :-ازان کو ترجیع ...... (شہادتین کو پہلے دو مرتبہ آہستہ کہنا اور پھر بلند آواز سے ان کا اعادہ کرنا) ...... کے بغیر اور اقامت و ازان کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا سنت ہے۔

ازان اور اقامت کہنے کا بڑا ثواب ہے حدیث پاک میں آیا ہے کہ ازان دینے والے کی گردن قیامت کے دن سب سے بلند ہو گی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص بلا اجرت ایک سال تک ازان کہے وہ قیامت کے دن جنت کے دروازے پر کھڑا ہو گا اور اس کو کہا جائے گا کہ تو جس کے لئے چاہے شفاعت کر۔

ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ازان اور اقامت کہنے کا طریقہ کیا ہے اور ان دونوں میں کتنے کتنے کلمات پڑھے جائیں؟

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" أنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ الأَنْصَارِى جَاءَ إلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأيتُ فِي الْمَنَامِ كَانَ رَجُلاً قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰى حَائِطٍ فَأذَّنَ مَثْنٰى مَثْنٰى وَ أَقَامَ مَثْنٰى مَثْنٰى "

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے خواب میں دیکھا جیسے کوئی شخص کھڑا ہے اور اس پر دو سبز چادریں ہیں وہ ایک دیوار پر کھڑا ہوا پھر دو دو بار ازان کہی اور دو دو بار اقامت کہی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الاذان جلد ۱ ص ۲۰۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ازان میں ترجیع نہیں ہے اگر ایسا

ہوتا تو حدیث میں اس کا ذکر کیا جاتا : کیونکہ جب حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب والے شخص کے کپڑوں کا ذکر تک کر ڈالا تو پھر اگر طریقہ اذان میں کوئی اور خاص بات ہوتی تو اس کا ذکر بھی ضرور کرتے۔

شرح معانی الآثار میں ہے :

"عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ رَأٰى رَجُلاً نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ أَوْ بُرْدَانِ فَقَامَ عَلٰى جِذْمِ حَائِطٍ فَنَادٰى ﴿اللّٰه اكبر اللّٰه اكبر اللّٰه اكبر اللّٰه اكبر﴾ فَذَكَرَ الأَذَانَ عَلٰى مَا فِيْ حَدِيْثِ أَبِي مَحْذُوْرَةَ غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ التَّرْجِيْعَ"

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو آسمان سے اترتے دیکھا اس پر دو سبز کپڑے یا دو سبز چادریں تھیں وہ دیوار پر کھڑا ہوا پھر اس نے پکارا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر' حضرت عبداللہ بن زید نے اذان کا اسی طرح ذکر کیا جس طرح حضرت ابو محذورہ نے کیا تھا البتہ ترجیع کا ذکر نہیں کیا۔

اس حدیث میں " لَمْ يَذْكُرِ التَّرْجِيْعَ" کے الفاظ آئے ہیں جو اس بات کا واضح ترین ثبوت ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے لہذا اذان کے تمام کلمات کو ایک ہی انداز میں کہنا درست ہے۔

زجاجۃ المصابیح میں طبرانی کے حوالے سے ہے :

" عَنْ أَبِي مَحْذُوْرَةَ يَقُوْلُ أَلْقٰى عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا وَلَمْ يَذْكُرْ تَرْجِيْعًا"

حضرت محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ایک ایک حرف کر کے مجھے اذان سکھائی اور اس میں ترجیع کا ذکر نہیں کیا۔

(زجاجۃ المصابیح باب الاذان جلد ۱ ص ۱۸۹)

اس حدیث میں بھی صراحتاً یہ بات موجود ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں

ہے لہذا اذان کو ترجیع کے بغیر کہنا چاہئے کیونکہ ترجیع کے ساتھ اذان کہنا درست نہیں ہے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اگرچہ ترجیع کا ذکر آیا ہے۔ لیکن اس کا مفہوم ہرگز وہ نہیں جو بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے جب حضور علیہ السلام کے سامنے اذان کے کلمات پڑھے تو انہوں نے اپنی آواز اس طرح بلند نہیں کی جس طرح حضور علیہ السلام چاہتے تھے اس لئے آپ نے حضرت ابو محذورہ کو فرمایا کہ دوبارہ کہو اور آواز بلند کرو۔ اگر غور و فکر کیا جائے تو یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں کتب احادیث میں ایسی بے شمار روایات موجود ہیں جن میں اذان اور اقامت دونوں کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں کہیں بھی ترجیع کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

نصب الرایہ میں علامہ ابن جوزی کے حوالے سے روایت ہے:

"وَالصَّحِيحُ أَنَّ بِلَالًا كَانَ لَا يَرْجِعُ"

اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں ترجیع نہیں کرتے تھے۔

(نصب الرایہ باب الاذان جلد ۱ ص ۲٦٤)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو مؤذن رسول کے خوبصورت لقب سے یاد کیا جاتا ہے؛ کیونکہ وہ حضور علیہ السلام کے زمانہء اقدس میں اذان کہا کرتے تھے اس لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل اذان کے سلسلے میں سب سے زیادہ قابل غور اور اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک میں ویسی ہی اذان دی جاتی ہے جس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے زمانہء اقدس میں دیا کرتے تھے یعنی بغیر ترجیع کے۔ اور اگر کوئی شخص اس مشہور طریقہ کے خلاف اذان دیتا ہے تو اس کا یہ عمل مؤذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے اور اس کے

ساتھ ساتھ سنت کے بھی خلاف ہے۔

اذان اور اقامت کے کلمات جفت جفت ہیں

جامع ترمذی میں ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ كَانَ أَذَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شُفْعًا شُفْعًا فِي الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ"

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اذان واقامۃ کے کلمات جفت جفت یعنی دو دو بار کہے جاتے تھے

(جامع ترمذی باب ما جاء ان الا قامۃ مثنی مثنی جلد ۱ ص ۲۷)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَيْدِ الْأَنْصَارِي يُؤَذِّنُ النَّبِيَّ ﷺ يَشْفَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ"

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں اذان دیتے تھے اور اقامت واذان کے کلمات جفت جفت (دو دو بار) کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ا ص ۱۳۸)

یہ دونوں حدیثیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اذان اور اقامت میں تمام کلمات جفت جفت کہنے چاہئیں یعنی ہر کلمہ دو دو مرتبہ کہا جائے۔ البتہ شروع میں اللہ اکبر چار چار مرتبہ کہنا چاہیئے جس کا ذکر بھی بہت سی روایات میں موجود ہے

مذکورہ بالا روایات میں " شفع " کا لفظ آیا ہے جس کا معنی جفت ہے لیکن بہت سی احادیث ایسی بھی ہیں جن میں مثنی مثنی اور یثنی کے لفظ آئے ہیں جن کا معنی دو دو ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّ بِلَالًا كَانَ يَثْنِي الْأَذَانَ وَيَثْنِي

الإقامةُ"

حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اذان اور اقامت دو دو بار کہتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب بدء الاذان جلد ۱ ص ٤٦٢)

شرح معانی الآثار میں ہے :

"عنْ إبْرَاهِيْم قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ يُؤذِّنُ مَثْنٰى و يُقِيْمُ مَثْنٰى"

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہتے تھے اور اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب الاذان جلد ۱ ص ۹۵)

زجاجۃ المصابیح میں ابو الشیخ کے حوالے سے ہے :

"قَالَ (أَبُوْ مَحْذُوْرَةَ) كُنْتُ أُثْنِي الإقَامَةَ كَمِثْلِ الأَذَانِ"

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اقامت کے کلمات اذان کی طرح دو دو مرتبہ کہتا تھا۔

(زجاجۃ المصابیح باب الاذان جلد ۱ ص ۱۸۹)

یہ تمام روایات اس بات کا واضح ترین ثبوت ہیں کہ اذان کی طرح اقامت میں بھی تمام کلمات کو دو دو مرتبہ کہنا چاہیئے اگر کوئی شخص اذان اور اقامت میں فرق کرتا ہے اور اقامت میں اذان کی مثل کلمات کو دو دو مرتبہ نہیں کہتا تو وہ صریحاً ان تمام احادیث میں بتائے گئے طریقہ اذان و اقامت کے خلاف کرتا ہے۔

تنبیہ :- اذان اور اقامت کے شروع میں اللّٰہ اکبر چار چار مرتبہ کہا جاتا ہے بہت سی احادیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

☆☆☆☆☆

رفع یدین کا بیان

مسئلہ :- نماز کو شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا سنت ہے۔ رکوع کی طرف جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا خلافِ سنت اور منع ہے۔

نماز ادا کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اس لئے نماز ادا کرنے کے آداب سے ہر مسلمان کا واقف ہونا ضروری ہے۔ نماز کے مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے دوران کس مقام پر ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کس مقام پر ہاتھ اٹھانا خلاف سنت نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے :

"عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَالِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِيْنَ أَيْدِيَكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابِ خَيْلِ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ"

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم دوران نماز اپنے ہاتھوں کو سرکش گھوڑوں کی طرح اٹھاتے رہتے ہو نماز سکون کے ساتھ ادا کیا کرو۔

(صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۱۸۱)

اس حدیث کو ابو داؤد الطیالسی ؒ نے بھی بعض الفاظ کے ردّوبدل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خشوع و خضوع اور سکون نماز کا بہت اہم حصہ ہے۔ جس کا نماز جیسی عظیم عبادت میں خیال رکھنا

ضروری ہے۔ اسی بات کا حکم حدیث میں دیا گیا ہے۔ اور بار بار نماز میں ہاتھ اٹھانا اور گرانا اس امر کے قطعاً خلاف ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَاتَرْفَعُ الْأَيْدِيُ إِلاَّ فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَإِذَا رَأَى الْبَيْتَ وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَفِيْ عَرَفَاتٍ وَفِيْ جَمْعٍ وَعِنْدَ الْجِمَارِ"۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سات مقامات پر ہاتھ اٹھائے جائیں۔

نمبر ۱ : تکبیر تحریمہ کے وقت **نمبر ۲** : بیت اللہ کی زیارت کے وقت

نمبر ۳ : کوہ صفا پر **نمبر ٤** : کوہ مروہ پر **نمبر ٥** : عرفات میں

نمبر ٦ : مزدلفہ میں **نمبر ۷** : جمرات کے پاس

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۲۳۷)

ایک روایت میں حجر اسود کا ذکر بھی آیا ہے نیز امام بخاری نے بھی اس روایت کو اپنی مشہور کتاب۔ الادب المفرد میں ذکر کیا ہے۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ نماز کے دوران صرف ایک ہی مقام پر یعنی نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرنا چاہئے اس کے علاوہ کسی اور مقام پر رفع یدین نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَايَرْفَعُهُمَا حَتّٰى يَفْرُغَ"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

جب نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۲۳۶)

سنن دار قطنی میں ہے :

”عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ وَ مَعَ اَبِیْ بَکْرٍ وَ مَعَ عُمَرَ فَلَمْ یَرْفَعُوْا أَیْدِیَھُمْ إِلاَّ عِنْدَ التَّکْبِیْرَۃِ الاُوْلٰی“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی ان سب نے نماز میں تکبیر اولی کے علاوہ کسی اور مقام پر ہاتھ نہیں اٹھائے۔
(سنن دارقطنی باب ذکر التکبیر و رفع الیدین عند الافتتاح جلد ۱ ص ۲۹۵)

ایک اور حدیث میں ہے :

”عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ حِیْنَ قَامَ إِلَی الصَّلٰوۃِ فَکَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی سَاوٰی بِھِمَا أُذُنَیْہِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا پھر دوبارہ ایسا نہیں کیا۔
(سنن دارقطنی باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح جلد ۱ ص ۲۹٤)

جامع ترمذی میں ہے :

”عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ أَلاَ أُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ إِلاَّ مَرَّۃً وَاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الاِفْتِتَاحِ“ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر دکھاؤں ؟ پھر آپ نے نماز پڑھی آپ نے نماز میں ایک مرتبہ تکبیر تحریمہ کے

موقع پر اپنے ہاتھ اٹھائے اس کے علاوہ کہیں اور ہاتھ نہیں اٹھائے۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث حسن ہے۔

(جامع ترمذی باب رفع الیدین عند الرکوع جلد ۱ ص ۵۹)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جب نماز ادا کرتے تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ رکوع اور سجدہ کے وقت اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قُلْتُ لِإِبْرَاهِيْمَ حَدِيْثَ وَائِلٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً "يَفْعَلُ ذٰلِكَ" فَقَدْ رَآهُ عَبْدُاللّٰهِ خَمْسِيْنَ مَرَّةً "لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ"

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم سے حدیث وائل کا ذکر کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز شروع کرتے وقت رکوع کی طرف جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابراہیم فرمانے لگے کہ اگر وائل نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو پچاس مرتبہ ایسا نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(شرح معانی الآثار باب التکبیرات جلد ۱ ص ۱۵۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پہلے کچھ عرصہ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر آپ نے یہ عمل چھوڑ دیا جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔

زجاجة المصابیح میں علامہ عینی کے حوالے سے روایت ہے:

"أنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَأَى رَجُلاً يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهٗ لَاتَفْعَلُ فَإنَّ هٰذَا شَيْءٌ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ تَرَكَهٗ"

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو دیکھا کہ اس نے دورانِ نماز رکوع کی طرف جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھایا تو آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ " تم ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ وہ عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ نے پہلے کیا پھر اس کو ترک کر دیا"

(زجاجة المصابيح باب صفة الصلوة جلد ۱ ص ۲۳۰)

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ آغازِ اسلام میں رکوع کے وقت رفع یدین مشروع تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ پہلے رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر اس کو ترک کر دیا۔

صحیح بخاری میں ہے :

" عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ أَنَّهٗ كَانَ جَالِسًا مَا نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرْنَا صَلٰوةَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدُ السَّاعِدِيُّ أَنَا كُنْتُ أَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَأَيْتُهٗ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ إِسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهٗ وَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضَهُمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْاُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهٖ"

حضرت محمد بن عمرو بن عطا رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ذکر کیا، تو ابو حمید ساعدی کہنے لگے میں تم سب سے زیادہ

رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ میں نے آپ کو دیکھا آپ تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے۔ جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑتے، پھر کمر کو مائل کرتے جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر لوٹ آتی جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو زمین پر بچھائے بغیر رکھتے اور ان کو پہلوؤں سے نہ ملاتے اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رو متوجہ کرتے اور جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں باہر کی طرف نکالتے اور دوسرے پاؤں کو کھڑا کر لیتے۔

(صحیح بخاری باب سنة الجلوس فی التشهد جلد ۱ ص ۱۱٤)

امام بخاری کی روایت کردہ اس حدیث میں حضور ﷺ کے نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں کہیں بھی رفع یدین کا تذکرہ موجود نہیں۔

رفع یدین کے بارے میں صحابہ کرام کا عمل

صحابہ کرام وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کی پیروی عین ہدایت ہے اور ان کا ہر عمل مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ کتب احادیث میں صحابہ کرام کے بارے میں بیشمار ایسی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع اور سجدہ کے وقت رفع یدین کرنا درست نہیں۔

مصنفِ ابنِ ابی شیبہ میں ہے :

”عَنْ إبْرَاهِيمَ عَنِ الأسْوَدِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلٰوتِهِ إلَّا حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ“

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت اسود سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز ادا کی انہوں

نے اپنی نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے اس کے علاوہ کہیں اور ہاتھ نہیں اٹھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوت جلد ۱ ص ۲۳۷)

شرح معانی الآثار میں ہے:

"عَنْ مَجَاهِدٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ إِلاَّ فِي التَّكْبِيرَةِ الأُولٰى مِنَ الصَّلٰوةِ"

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز ادا کی انہوں نے نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں اور ہاتھ نہیں اٹھائے۔

(شرح معانی الآثار باب التکبیرات جلد ۱ ص ۱۵۵)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"أَنَّ عَلِيًّا كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کے شروع میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوبارہ یہ عمل نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوت جلد ۱ ص ۲۳۶)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نماز میں ایک ہی مقام ایسا ہے جہاں نمازی اپنے ہاتھوں کو اٹھائے یعنی نماز کے شروع میں جب تکبیر تحریمہ کہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيرَةِ الأُولٰى مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِيْ شَيْءٍ مِنْهَا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ تکبیر اولی کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی اور مقام پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(السنن الکبری باب من لم یذکر الرفع الاعندالافتتاح جلد ۲ ص ۸۰)

سنن کبریٰ میں ہے :

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہما فَلَمْ يَرْفَعُوْا أَيْدِيَهُمْ إِلاَّ عِنْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى فِيْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز ادا کی ان سب نے نماز کے شروع میں تکبیر اولیٰ کے علاوہ کہیں اور ہاتھ نہیں اٹھائے ۔

(السنن الکبریٰ باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح جلد ۲ ص ۸۰)

امام بخاریؒ کے استاذ ابو بکر ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

"عَنْ أَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ أَصْحَابُ عَبْدِاللّٰهِ وَأَصْحَابُ عَلِيٍّ لاَيَرْفَعُوْنَ أَيْدِيَهُمْ إِلاَّ فِيْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ"

حضرت ابو اسحاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے رفقاء دورانِ نماز رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر وہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰت جلد ۱ ص ۲۳۶)

حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت علی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اور ان کے رفقاء کے عمل سے اس بات کو تقویت حاصل ہو رہی ہے کہ نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا صحیح اور درست عمل ہے۔ اس کے علاوہ دوران نماز کسی اور مقام پر ہاتھ اٹھانا درست نہیں اور ایسا کرنا یقیناً صحابہ کرام کے عمل کے بالکل خلاف ہے۔

جامع ترمذی میں ہے :

" عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ أَلاَ أُصَلِّيْ

بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ"

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہم سے فرمانے لگے : کیا میں تم کو حضور علیہ السلام کی طرح نماز پڑھ کرنہ دکھاؤں ؟ پھر آپ نے نماز پڑھی اور نماز میں صرف ایک مرتبہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے۔ پھر کسی دوسرے مقام پر ہاتھ نہیں اٹھائے۔

(جامع ترمذی باب رفع الیدین عند الرکوع جلد ۱ ص ۵۹)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جن کو حضور علیہ السلام سے بہت زیادہ فیضیاب ہونے کا موقع ملا ان کو قرآن وحدیث کے سمجھنے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ کرام اور تابعین عظام ان کے قول و فعل کو دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے اور ان کی بات کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اکثر اوقات لوگوں کی تعلیم کے لئے انہیں کچھ نہ کچھ بتاتے رہتے تھے۔

مذکورہ بالا حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے لوگوں کو باقاعدہ اس طرح نماز پڑھ کر دکھایا جس طرح حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ **قابل غور** بات یہ ہے کہ آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ اٹھائے اس کے علاوہ نماز میں کہیں بھی اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے

☆☆☆☆☆

نماز میں بوقت قیام ہاتھ باندھنے کا بیان

مسئلہ :- نماز میں مرد نمازی کا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا اور ان کو ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔

نماز کے آداب میں سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ نمازی مرد قیام کے وقت اپنے ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے کیونکہ نماز اول تا آخر خشوع و خضوع اور ادب و احترام کا خوبصورت نمونہ ہے رکوع میں سر جھکانا، سجدہ میں پیشانی کو زمین پر رکھنا اور تشہد میں دو زانو ہو کر بیٹھنا ادب ہی کا حصہ ہے۔ اس لئے قیام کی حالت میں بھی ایسا انداز اپنانا چاہیئے جو بندگی اور ادب کے زیادہ قریب ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

"عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ أَنْ تُوْضَعَ الْأَيْدِى عَلَى الْأَيْدِى تَحْتَ السُّرَرِ"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو ہاتھوں پر رکھنا اور ان کو ناف کے نیچے باندھنا نماز کی سنتوں میں سے ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۳۹۱)

ایک اور حدیث میں ہے :

" عَنْ عَلِيٍّ قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِى الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔

(زجاجة المصابيح باب صفة الصلوة جلد ۱ ص ۲۳۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے ناف کے نیچے باندھنا آداب نماز میں سے ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے ۔

امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنَّف روایت کرتے ہیں :

" عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَضَعَ يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ "

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۳۹۱)

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نماز میں بوقت قیام نمازی اپنے ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے کیوں کہ حضور علیہ السلام اسی انداز میں ہاتھ باندھ کر نماز ادا کرتے تھے ۔

سنن دارقطنی میں ہے :

" عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ إِنَّ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ "

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ (سنن دارقطنی باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلوۃ ۱/ ۲۸۶)

زجاجۃ المصابیح میں ہے :

" عَنْ إِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى تَحْتَ السُّرَّةِ "

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ (زجاجۃ المصابیح باب صفۃ الصلوۃ جلد ۱ ص ۲۳۳)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" عَنْ حُجَّاجِ بْنِ حَسَّانِ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا مِجْلَزٍ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِيْنِهِ عَلٰى ظَاهِرِكَفِّ شِمَالِهِ وَيَجْعَلُهَا أَسْفَلُ مِنَ السُّرَّةِ "

حضرت حجاج بن حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو مجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے باندھے جائیں انہوں نے فرمایا کہ دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر ان کو ناف کے نیچے باندھنا چاہئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۳۹۱)

مذکورہ بالا احادیث میں بڑے صاف انداز میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ نماز میں بحالت قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ کیا ہے اور کس جگہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے اس کے باوجود جو شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور اسلاف کے طریقہ کے خلاف عمل کرتا ہے۔

شرح مسلم میں الجواھر النقی کے حوالے سے ہے :

ابن حزم کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھے جائیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں اخلاق نبوت میں سے ہیں۔

نمبر ۱ :- جلدی افطار کرنا۔ نمبر ۲ :- دیر سے سحری کھانا۔

نمبر ۳ :- نماز میں ناف کے نیچے بائیں ہاتھ پر دائیاں ہاتھ رکھنا۔

(شرح صحیح مسلم از غلام رسول سعیدی کتاب الصلوۃ جلد ۱ ص ۱۱۲۲)

امام ترمذی نقل کرتے ہیں :

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھے جائیں اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سینے پر ہاتھ باندھے جائیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھے جائیں اس کے برعکس نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق بے شمار احادیث موجود ہیں۔

علاوہ ازیں احناف نے دونوں روایتوں پر عمل کیا ہے مردوں کے لئے زیر ناف ہاتھ باندھنے والی روایت پر اور عورتوں کے لئے سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت پر ۔ اور اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو احناف کا عمل بڑی خوبیوں کا حامل ہے کیونکہ نماز میں اصل چیز خشوع و خضوع اور ادب و احترام ہے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ انداز بندگی اختیار کرتے ہوئے آقا کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کہ وہ بندگی کی مجسم تصویر بن جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ زیر ناف ہاتھ باندھ کر اپنے عجز و انکسار کا مظاہرہ کرے۔

اور عورتوں کے معاملہ میں ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے ستر کو چھپائیں اور کسی صورت میں اس کو ظاہر نہ کریں اور ان کا سینے پر ہاتھ باندھ کر قیام کرنا ستر کو محفوظ کرنے کا باعث بنتا ہے اس لئے ان کا بحالت قیام سینے پر ہاتھ باندھنا ادب و احترام ہی کے زمرے میں آتا ہے اسی بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عورتوں کو سجدہ کرنے اور تشہد میں بیٹھنے کے لئے بھی مردوں کی نسبت کچھ رعایت دی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ :- نماز میں بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم آہستہ پڑھنا اور قراۃ جہریہ کا آغاز سورۃ فاتحہ سے کرنا سنت ہے۔

مغرب عشاء اور فجر کی نماز میں امام اونچی آواز سے قراۃ کرتا ہے اور قراۃ کا آغاز چونکہ الحمد شریف سے ہوتا ہے جیساکہ احادیث سے ثابت ہے اس لئے قراۃ سے پہلے ثناء تَعَوُّذ اور تسمیہ (بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم) امام اور مقتدی دونوں آہستہ پڑھیں پھر امام قراۃ جہریہ کا آغاز کرے

صحیح مسلم میں ہے :

عَنْ اَنَس قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَخَلْفَ اَبِی بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہم فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ یَقْرَأُ ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی اقتدا میں نماز پڑھی ان میں سے کسی کو بھی میں نے بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(صحیح مسلم باب حجة من قال لا یجهر بالبسملة جلد ۱ ص ۱۷۲)

سنن نسائی میں ہے :

عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَاَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ

وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے کسی کو بھی میں نے اونچی آواز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح جلد ۱ ص ۱۴۴)

ان احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم قراۃِ جہریہ (اونچی آواز) سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اونچی آواز میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ آہستہ پڑھتے تھے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنھما کے بارے میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ اِقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ۔ میرے بعد تم ابوبکر اور عمر کی پیروی کرنا

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"أَنَّ عَلِيًّا لَا يَجْهَرُ بِـ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

حضرت علی رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز میں نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۴۱۱)

ایک اور روایت میں ہے:

"عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ سَبْعِيْنَ صَلٰوةً فَلَمْ يَجْهَرْ فِيْهَا بِـ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ستر نمازیں پڑھیں انہوں نے کبھی بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی آواز میں نہیں پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۴۱۱)

صحیح بہاری میں ہے :

" عَنْ اَنَسٍ قَالَ إنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَاَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ کَانُوْا یُسِرُّوْن بِـ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آہستہ پڑھتے تھے۔ (صحیح بہاری ابواب السنن ص ۳۸۹)

زجاجۃ المصابیح میں طبرانی کے حوالے سے حدیث نقل کی گئی ہے :

" عَنْ اَنسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُسِرُّ بِـ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاَبَابَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَعَلِیًّا رضی اللہ عنہم .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم (نماز میں) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آہستہ پڑھتے تھے۔

(زجاجۃ المصابیح باب القراۃ فی الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۲۵۵)

یہ تمام روایات اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ نماز کی حالت میں ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ آہستہ پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی بھی سنّت ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی بھی سنت ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم صحابہ کرام اور تابعین عظام نہ صرف بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آہستہ پڑھتے تھے بلکہ خود ان سب کا کہنا بھی یہی تھا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آہستہ پڑھنی چاہئے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّہٗ کَانَ یُخْفِیْ بِسْمِ اللّٰہِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْاِسْتِعَاذَۃَ وَرَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ"

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ استعاذہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۴۱۰)

زجاجۃ المصابیح میں ہے:

"عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَانَ عُمَرُ وَعَلِیٌّ لَا یَجْہَرَانِ بِـ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّامِیْنِ"

حضرت ابی وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ تَعَوُّذ اور آمین اونچی آواز میں نہیں پڑھتے تھے۔

(زجاجۃ المصابیح باب القراۃ فی الصلوۃ جلد ۱ ص ۲۵۵)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عَنْ إِبْرَاهِیْمَ قَالَ أَرْبَعٌ یُخَافِتُ بِهِنَّ الْاِمَامُ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَالتَّعَوُّذُ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ آمِیْنَ۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں چار مقامات ایسے ہیں جہاں امام کو آواز آہستہ رکھنی چاہیئے۔ سبحانك اللّٰهم وبحمدك ۔ تعوذ ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور آمین۔

(مصنف عبدالرزاق باب ما یخفی الامام جلد ۲ ص ۸۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ پانچ جگہ آواز کو آہستہ رکھنا چاہیئے یعنی ثناء تعوذ ۔ تسمیہ ۔آمین اور ربنا لك الحمد ۔

علاوہ ازیں بہت سے آئمہ حدیث اور فقہاء کرام کا عمل بھی یہی تھا ایک روایت کے مطابق حضرت سفیان ثوری ، حضرت عبداللہ ابن مبارک حضرت امام احمد اور حضرت امام اسحاق رضی اللہ عنہم نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق امام کا اونچی آواز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنا بدعت ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے نہ صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ آہستہ پڑھنی چاہیئے بلکہ دیگر ان مقامات کا ذکر بھی موجود ہے جہاں آواز اونچی نہیں کرنی چاہیئے اس لئے ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ آہستہ پڑھنا ہی درست اور سنت کے مطابق ہے۔

☆☆☆☆☆

آمین آہستہ کہنے کا بیان

مسئلہ :- نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین آہستہ کہنا سنت ہے۔

نماز کے آداب میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ مکمل کرے تو امام اور اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے تمام مسلمان "آمین" کہیں۔ لیکن " آمین "آہستہ اور دھیمی آواز میں کہنی چاہئے۔

سنن دار قطنی میں ہے :

"عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ وَأَخْفٰى بِهَا صَوْتَهُ "

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی جب حضور علیہ السلام غیر المغضوب علیہم ولاالضالین پر پہنچے تو آمین کہی اور اپنی آواز کو پست (آہستہ) رکھا ۔

(سنن دراقطنی باب التامین فی الصلوۃ جلد ۱ ص ۱۲۷)

جامع ترمذی میں ہے :

"عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالِّيْنَ فَقَالَ آمِيْنَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ"

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ حضرت وائل سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالِّيْنَ پڑھا تو " آمِيْن "کہا اور آواز کو آہستہ رکھا ۔

(جامع ترمذی ابواب الصلوۃ جلد ۱ ص ۵۸)

ان دونوں حدیثوں میں حضور علیہ السلام کے سورۂ فاتحہ کے بعد "آمین" کہنے کا ذکر موجود ہے ایک روایت میں "وَاَخْفٰی صَوْتَه" اور دوسری روایت میں "خَفَضَ بِهَا صَوْتَه" کے الفاظ ہیں اور دونوں کا ایک ہی جیسا مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "آمین آہستہ آواز میں کہی"۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے :

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ أَرْبَعٌ يُخَافِتُ بِهِنَّ الإِمَامُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَالتَّعَوُّذُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَآمِيْن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نماز میں چار مقامات پر امام آواز آہستہ رکھے ثناء، تعوذ، تسمیہ اور آمین۔

(مصنف عبدالرزاق باب آمین جلد ۲ ص ۸۷)

زجاجة المصابیح میں ہے :

" عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنهما يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلاَ آمِيْن "

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین اونچی آواز میں نہیں کہتے تھے ۔

(زجاجة المصابیح باب القرأۃ فی الصلوۃ جلد ۱ ص ۲۵۹)

ان دونوں حدیثوں میں بھی اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے۔ کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین آہستہ کہی جائے۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔

صحیح بخاری میں ہے :

" عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَهُ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو! جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہوگی اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری باب جھر المامون بالتامین جلد ۱ ص ۹۷)

مصنف عبدالرزاق میں ہے :

"عَنِ الْمَنْصُوْرِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ أَنَّهُ كَانَ يُسِرُّ آمِيْنَ"

حضرت منصور رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم سے روایت فرماتے ہیں کہ وہ آمین آہستہ کہتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب آمین جلد ۲ ص ۹۶)

موطاامام مالک میں ہے :

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَالَ الإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ، فَقُوْلُوْا آمِيْنَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو! جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

(موطا الامام مالک باب ما جاء فی التامین خلف الامام جلد ۱ ص ۷۰)

اس حدیث مبارکہ میں بھی موافقت آمینِ ملائکہ کا تذکرہ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہے یا کہ بلند آواز سے ؟ ظاہر ہے کہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہے لہذا موافقتِ تامہ اسی صورت میں ہوگی جب آمین آہستہ کہی جائے۔

کتب احادیث میں اس طرح کی بے شمار روایات موجود ہیں جن میں حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آہستہ آمین کہنے کا ذکر ملتا ہے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آمین آہستہ کہنا حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ گناہوں کی معافی کا سبب اور باعث نجات ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ آہستہ آمین کہنا بلند آواز میں آمین کہنے سے اولیٰ ہے۔ اور احناف کرام علیہم الرضوان کا یہی مذہبِ مہذّب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

اور تم اپنی بات کو آہستہ کہو یا بلند آواز سے بیشک وہ سینے کے رازوں کو بڑا جاننے والا ہے۔

(القرآن سورة الملك آيت ۱۳)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی پکار کو سنتا ہے اور اس کی بارگاہ میں آہستہ آواز میں اور بلند آواز میں دونوں طرح ندا کرنا درست ہے۔ لیکن "وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ" کے الفاظ مقدم ہیں، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس کی بارگاہ میں آہستہ ندا کرنا اولیٰ اور زیادہ پسندیدہ ہے۔

سورہ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی ایک دعا کا ذکر آیا ہے۔ کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہستہ آواز میں ندا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے انہیں ایک صالح بیٹے کی خوشخبری سنائی۔

معلوم ہوا کہ آہستہ آواز میں نداء کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتِ مبارکہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی بارگاہ میں بہت جلد قبولیت کا باعث بھی ہے

☆☆☆☆☆

﴿ قرأۃ خلف الامام کا بیان ﴾

مسئلہ :- امام کی اقتدا میں نمازی کا قرأۃ کرنا ناجائز اور سخت منع ہے۔

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو باجماعت نماز ادا کرنے کا ستائیس گنا ثواب ملتا ہے۔

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے، جن باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے ان میں سے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ "مقتدی" امام کے پیچھے خود قرأۃ نہ کرے ،بلکہ امام کی قرأۃ کو سنے اور خاموش رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے :

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

اور جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو تم اس کو سنو اور خاموش رہو ! تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔

(القرآن سورۃ الاعراف آیت ٢٠٤)

زجاجۃ المصابیح میں ہے :

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهٗ سُئِلَ أَ كُلُّ مَنْ سَمِعَ الْقُرْآنَ وَجَبَ عَلَيْهِ الْاِسْتِمَاعُ وَالْاِنْصَاتُ قَالَ اِنَّمَا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ بِهِ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ، فِيْ قِرَاْةِ الْاِمَامِ"

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ہر شخص جب بھی قرآن سنے تو اس پر قرآن پاک کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے ؟ انہوں نے جواب دیا یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ امام کی قرأۃ کے دوران تم خاموش رہو۔

(زجاجۃ المصابیح باب القراۃ فی الصلوۃ جلد ١ ص ٢٤١)

تفسیر خازن میں ہے :

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِاَصْحَابِہٖ فَسَمِعَ نَاساً یَقْرَءُ وْنَ فَقَالَ : اَمَا آنَ لَکُمْ أَنْ تَفْهَمُوْہُ ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ ﴾"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی اور آپ نے اپنی اقتداء میں بعض لوگوں کو قراۃ کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ " کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت ﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا له ﴾ کا مطلب اور مفہوم سمجھو؟

(تفسیر الخازن سورۃ الاعراف جلد ۲ ص ۱۷۲)

زجاجۃ المصابیح میں عبد بن حمید کے حوالہ سے روایت نقل کی گئی ہے :

"عَنْ اَبِی الْعَالِیَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا صَلّٰی بِاَصْحَابِہٖ فَقَرَاَ فَقَرَاَ اَصْحَابُہٗ فَنَزَلَتْ الخ"

حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی آپ نے قراۃ کی تو صحابہ کرام نے بھی قراۃ کی، اس وقت آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

(زجاجۃ المصابیح باب القراۃ خلف الامام جلد ۱ ص ۲۴۲)

امام زہری سے بھی اسی طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے حضور علیہ السلام کی اقتدا میں قراۃ کی تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

امام احمد فرماتے ہیں اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مبارکہ نماز کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔

قرآن مجید کی آیت مبارکہ اور اس کی وضاحت میں نقل کی گئی چند احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ امام کی اقتدا میں قراۃ کرنے سے خود اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کے باوجود اگر کوئی شخص امام کے پیچھے قراۃ کرتا ہے تو

صریحاً اس آیت مبارکہ میں دیئے گئے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

امام کی اقتداء میں قراۃ کرنا منع ہے

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْقِرَأَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ"

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے قراۃ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق باب قراۃ خلف الامام جلد ۲ ص ۱۳۹)

سنن دارقطنی میں ہے:

"عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا قِرَأَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ"

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قراۃ کرنا درست نہیں۔

(سنن دار قطنی باب من کان له امام فقراۃ الامام قراۃ له جلد ۱ ص ۳۳۰)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَأَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ كَانُوْا يَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَأَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ"

بیشک رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراۃ کرنے سے منع فرماتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب قراۃ خلف الامام جلد ۲ ص ۱۳۹)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ امام جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأۃ کرے تو تم خاموش رہو۔

(سنن ابن ماجه باب واذا قرأ القرآن فانصتوا ص ٦١)

شرح معانی الآثار میں ہے:

"عَنْ انَسٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ أَتَقْرَؤُوْنَ وَالْإِمَامُ يَقْرَءُ ؟ فَسَكَتُوْا فَسَأَلَهُمْ ثَلٰثاً فَقَالُوْا إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُ"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب امام قرأۃ کرتا ہے تو کیا تم بھی قرأۃ کرتے ہو؟ تو سب خاموش رہے۔ حضور علیہ السلام نے تین مرتبہ یہ سوال کیا تو سب نے عرض کیا، بے شک ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم ایسا نہ کیا کرو۔

(شرح معانی الآثار باب القرأة خلف الامام جلد ا ص ١٥٠)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"قَالَ الضَّحَّاكُ يُنْهٰى عَنِ الْقِرَأَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ"

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأۃ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبه کتاب الصلوات جلد ا ص ٣٧٦)

خلاصہ کلام:

ان تمام احادیث میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ امام کے پیچھے قرأۃ کرنے سے منع کیا گیا ہے لہذا مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود قرأۃ نہ کرے بلکہ امام کی قرأۃ سنے اور اس دوران بالکل خاموش رہے۔

امام کی قراۃ مقتدی کی قراۃ ہے

مقتدی کو امام کی اقتدا میں قرات کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں ہوتی کہ امام کے قراۃ کرنے مقتدی کی قراۃ بھی ہو جاتی ہے ۔

سنن ابن ماجہ میں ہے :

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرآت اس کی قرآت ہے۔

(سنن ابن ماجہ باب و اذا قرا الامام فانصتوا ص ٦١)

سنن دارقطنی میں ہے :

"عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَأْةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَأْةٌ"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا کوئی امام ہو تو امام کا قراۃ کرنا اس کا قراۃ کرنا ہے۔

(سنن دار قطنی باب من کان لہ امام جلد ۱ ص ۳۳۳)

زجاجۃ المصابیح میں ہے :

"عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْإِمَامِ كَفَتْهُ قِرَاءَتُهٗ"

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو امام کی قراۃ کافی ہے۔

(زجاجۃ المصابیح باب القراۃ فی الصلوۃ جلد ا ص ۲۵۱)

علمائے احناف فرماتے ہیں ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب امام قراۃ کرتا ہے تو شرعی طور پر مقتدی کی قراۃ بھی ہو جاتی ہے۔ اب اگر امام بھی قراۃ کرے اور مقتدی بھی قراۃ کریں تو ایک نماز میں دو قراتیں جمع ہو جاتی ہیں اور یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

امام کی اقتداء میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے!

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہما مَنْ لَمْ يَقْرَأْ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا خَلْفَ الْاِمَامِ "

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی، اس کی نماز نہ ہوئی، سوائے اس کے کہ وہ امام کی اقتداء میں ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ا ص ۳۶۰)

موطا امام مالک میں ہے :

" عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ صَلٰوةٍ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ إِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ "

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہر ایسی نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے درست نہیں سوائے اس کے کہ نماز ادا کرنے والا امام کے پیچھے کھڑا ہو۔

(موطا الامام مالک باب ترک القرأۃ خلف الامام ص ۶۸)

جامع ترمذی میں ہے :

" عَنْ أَبِيْ نُعَيْمٍ أَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ وَرَاءَ الْإِمَامِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ "

حضرت ابو نعیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ایک رکعت بھی ادا کی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے کھڑا ہو۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الصلوۃ جلد ا ص ۵۷)

خلاصہ کلام:

مقتدی کا امام کی اقتدا میں قراۃ کرنا درست نہیں۔اس کی وضاحت کے لئے تین مختلف انداز کی احادیث بیان کی گئی ہیں۔

نمبر ۱:- وہ احادیث جن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم موجود ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قراۃ نہ کرے۔

نمبر ۲:- وہ احادیث جن میں امام کی قراۃ کو مقتدی کی قراۃ کہا گیا۔

نمبر ۳:- وہ احادیث جن میں اس شخص کو جو اکیلے نماز پڑھ رہا ہو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کرے؛ کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور اگر نمازی امام کے پیچھے کھڑا ہے تو اس صورت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں یہ مسئلہ بڑی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کا قراۃ کرنا درست نہیں۔اگر کوئی ایسا کرے تو اس کا یہ عمل حضور علیہ السلام کے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بھی خلاف ورزی ہے جس میں مسلمانوں کو کہا گیا کہ ”رسول جو تم کو دیں وہ لے لو! اور جس بات سے روکیں تم اس بات سے رک جاؤ“۔

قراۃ خلف الامام کے بارے میں صحابہ کرام کی رائے

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

”عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ لَا إِنْ جَهَرَتْ وَلَا إِنْ خَافَتْ“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہری نماز ہو یا سری، امام کے پیچھے نمازی قراۃ نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۳۷۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام اونچی آواز میں قراۃ کر رہا ہو یا آہستہ آواز میں، مقتدی کسی صورت میں امام کے پیچھے قراۃ نہ کرے ۔

صحیح مسلم میں ہے :

"عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَأَلَ زَيْداً عَنِ الْقِرَأَةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَالَ لَاقِرَأَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِيْ شَيْءٍ"

حضرت عطاابن یسار رضی اللہ عنہ نے حضرت زید سے پوچھا کہ امام کے ساتھ قراۃ کرنا کیسا ہے ؟ تو انہوں نے فرمایا : امام کے ساتھ قراۃ کرنا قطعاً درست نہیں۔

(صحیح مسلم باب سجود التلاوۃ جلد ۱ ص ۲۱۵)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

"عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَلَا صَلٰوةَ لَهُ"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے امام کے پیچھے قراۃ کی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۱ ص ۳۷۶)

اس حدیث میں " لَا صَلٰوةَ " کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ امام کے پیچھے قراۃ کرنے والے کی نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں۔

سنن دار قطنی میں ہے :

" قَالَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَخْطَاَ الْفِطْرَةَ "

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے امام کے پیچھے قراۃ کی اس نے فطرت (سنت) میں خطا کی ۔

(سنن دار قطنی باب من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراۃ جلد ۱ ص ۳۳۱)

ایک اور حدیث میں ہے :

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى أَنَّ عَلِيّاً كَانَ يَنْهٰى عَنِ الْقِرَأَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ"

حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قراۃ کرنے سے منع فرماتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب قراۃ خلف الامام جلد ۲ ص ۱۳۸)

موطا امام مالک میں ہے:

"عَنْ نَافِعٍ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ"

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر امام کے پیچھے قراۃ نہیں کرتے تھے۔ (موطا الامام مالک باب ترک القراۃ خلف الامام ص ۶۸)

زجاجۃ المصابیح میں ہے۔

"عَنْ رَجُلٍ قَالَ عَهِدَ إِلَيْنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنْ لَا نَقْرَأَ مَعَ الْاِمَامِ"

ایک صاحب کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم سے یہ وعدہ لیا کہ ہم امام کی اقتدا میں قراۃ نہیں کریں گے۔

(زجاجۃ المصابیح باب القراۃ فی الصلوۃ جلد ا ص ۲۵۱)

حضرت عمر حضرت علی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کو صحابہ کرام میں بھی بڑا مقام و مرتبہ حاصل تھا اور یہ تمام مجتہد صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ یہ تمام صحابہ کرام امام کے پیچھے قراۃ کو درست نہیں سمجھتے تھے اور اس سے منع بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ایک آدمی سے امام کے پیچھے قراۃ نہ کرنے کا پختہ وعدہ لیا "قراۃ خلف الامام" کے بارے میں یہ بڑی اہم اور قابل غور بات ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوْا يَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَاْةِ خَلْفَ الْاِمَامِ"

بے شک رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراۃ کرنے سے منع فرماتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب قراۃ خلف الامام جلد ۲ ص ۱۳۹)

امام ابن ابی شیبہ نے حدیث روایت کی ہے :

”عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَاصٍ قَالَ وَدَدْتُّ اَنَّ الَّذِیْ یَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْ فِیْہِ حَجَرٌ“

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا جی کرتا ہے جو امام کے پیچھے قرأۃ کرے اس کے منہ میں پتھر ٹھونس دوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۳۷۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ **قرأۃ خلف الامام** جائز نہیں ورنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جید صحابی ایسے شخص کے بارے میں اتنا سخت رویہ نہ اپناتے۔ ایک روایت میں تو پتھر کے بجائے چنگاری کا ذکر آیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اس نوعیت کی روایات کتب احادیث میں بیان کی گئی ہے۔

زجاجة المصابیح میں کشف الاسرار کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے :

”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ عَشَرَۃٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَنْہَوْنَ عَنِ الْقِرَأَۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ اَشَدَّ النَّہْیِ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَعَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ وَعَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہم“

حضرت عبداللہ بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دس صحابہ حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر بن خطاب حضرت عثمان بن عفان حضرت علی ابن ابی طالب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبداللہ ابن مسعود حضرت عبداللہ ابن عمر حضرت عبد اللہ ابن عباس اور

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراۃ کرنے سے انتہائی سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔
(زجاجۃ المصابیح باب القراۃ فی الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۲۴)

صحابہ کرام وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس نے ان کی پیروی کی اس نے ہدایت پائی۔ اور انہی ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہ کا لقب عطا فرمایا یقیناً صحابہ کرام کا عمل ہمارے لئے باعث نجات ہے۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے جید صحابہ کرام مقتدی کے پیچھے قراۃ کرنے سے منع کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زید کی روایت میں دس صحابہ کرام کا ذکر آیا ہے ایک روایت میں ایسے صحابہ کرام کی تعداد اسی (۸۰) بیان کی گئی ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک یہ تعداد کہیں زیادہ ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿نماز ظہر کے مستحب وقت کا بیان﴾

مسئلہ :- سردیوں میں ظہر کی نماز میں جلدی کرنا اور گرمیوں میں ٹھنڈی کرکے یعنی تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے۔

عبادات ہوں یا معاملات۔ اسلام اپنے پیروکاروں کے لئے بہت سی آسانیاں مہیا کرتا ہے اور حتی الامکان انہیں تکالیف سے دور رکھنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے؛ تاکہ وہ اسلام اور اس کے احکامات کی بجا آوری کے لئے خود کو ہمیشہ پُرسکون محسوس کریں۔

سنن ابن ماجہ میں ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شدید گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو۔

(سنن ابن ماجہ ابواب مواقیت الصلوۃ ص ۴۹)

سنن نسائی میں ہے:

"عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَ إِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب گرمیوں کے دن ہوتے تو حضور علیہ السلام نماز کو ٹھنڈا کرکے ادا کرتے اور جب سردیوں کے دن ہوتے تو نماز میں جلدی فرماتے۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت جلد ۱ ص ۸۷)

شرح معانی الآثار میں ہے :

”عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الظُّهْرِ بِالْهَجِيْرِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ“

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دوپہر کو ظہر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھڑک ہے۔

(شرح معانی الآثار ۔ کتاب الصلوۃ جلد ۱ ص ۱۲۹)

جامع ترمذی میں ہے :

”عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي مَنْزِلٍ فَأَذَّنَ بِلَالٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَهْ يَا بِلَالُ! ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ مَهْ يَابِلَالُ! ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ مَهْ يَابِلَالُ! حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ“

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جگہ پہ ٹھہرے ہوئے تھے حضرت بلال نے اذان دینا چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بلال ٹھہرو! کچھ دیر بعد حضرت بلال نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اے بلال ٹھہرو ! تیسری مرتبہ پھر حضرت بلال نے اذان کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اے بلال ٹھہرو ! یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا گرمی کی شدت جہنم کی بھڑک ہے پس جب شدید گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو۔

(جامع ترمذی ابواب الصلوۃ جلد ۱ ص ۴۱)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ اگرچہ اس میں حضرت بلال کا نام موجود نہیں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ گرمیوں میں نماز ظہر

تاخیر کے ساتھ ادا کرنا اولیٰ ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اس بات کا واضح ترین ثبوت ہے۔ کہ گرمیوں کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی منشاء کے عین مطابق ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے :

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شدید گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو یعنی تاخیر سے ادا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جھنم کی بھڑک ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الصلوۃ جلد ۱ ص ۴۰)

سننِ نسائی میں ہے :

" عَنْ أَبِي مُوْسٰى قَالَ أَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ "

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو یعنی گرمیوں میں نماز ظہر کی ادائیگی میں تاخیر کرو۔

(سنن نسائی کتاب الصلوۃ جلد ۱ ص ۸۷)

سنن ابن ماجہ میں ہے :

" عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ "

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : نماز ظہر کو ٹھنڈا کرو یعنی گرمیوں میں تاخیر کے ساتھ ادا کرو۔

(سنن ابن ماجہ ابواب مواقیت الصلوۃ ص ۴۹)

شرح معانی الآثار میں ہے :

" عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُعَجِّلُھَا فِی الشِّتَاءِ وَیُؤَخِّرُھَا فِی الصَّیْفِ "

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سردیوں میں نماز ظہر جلدی ادا کرتے تھے اور گرمیوں میں تاخیر سے ادا کرتے تھے۔ (شرح معانی الآثار کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۱۲۹)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ سردیوں میں ظہر کی نماز کی ادائیگی کے لئے جلدی، جب کہ گرمیوں میں تاخیر کرنا سنت ہے۔ اگر غور و فکر کیا جائے اور عقل کو استعمال میں لایا جائے تو یہ بات بڑی آسانی سے ذھن میں آسکتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے تاخیر سے نماز ادا کرنے کی جو ہدایت فرمائی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ نمازی کو گرمی کی شدت اور تکلیف سے دور رکھا جائے تاکہ نماز کی ادائیگی اور اس کا خشوع و خضوع متاثر نہ ہو اور یہ اہم ترین عبادت اپنے تمام تر آداب کے ساتھ مکمل کی جاسکے۔

☆☆☆☆☆

﴿ نمازیں جمع نہ کرنے کا بیان ﴾

مسئلہ :- ہر نماز کو اس کے صحیح وقت میں ادا کرنا ضروری ہے جبکہ دو مختلف وقتوں کی نمازیں ایک نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ۔

شریعت نے ایک دن اور رات میں مسلمانوں پر پانچ نمازیں ادا کرنا فرض قرار دیا ہے اور ہر نماز کے لئے علیحدہ علیحدہ وقت مقرر کیا ہے تاکہ لوگ کسی بھی نماز کی ادائیگی میں کاہلی اور سستی کا مظاہرہ نہ کریں اور جب بھی نماز کا وقت مقررہ آجائے تو وہ اس کے لئے فوراً تیاری کر کے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے :

﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا ﴾

بے شک مسلمانوں پر مقررہ وقت میں نماز ادا کرنا فرض ہے ۔

(القرآن سورۃ النساء آیت ۱۰۳)

قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر نماز کو اس کے مقررہ اور مخصوص وقت میں ہی ادا کرنا صحیح ہے۔ اور کسی بھی نماز کو اس کے اپنے وقت سے ہٹ کر دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا جائز نہیں اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم صریح کے قطعاً خلاف ہے ۔

سنن نسائی میں ہے :

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا إِلَّا بِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت میں ادا کرتے تھے۔

(سنن نسائی باب الجمع بین الظهر والعصر بعرفة جلد ٢ ص ٤٤)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف مزدلفہ اور عرفات ہی دو ایسے مقام ہیں جہاں ایک وقت میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے اس کے علاوہ سفر ہو یا حضر دو نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں ادا کرنا جائز نہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عَنْ أَبِي مُوسٰى اَلْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ مِنَ الْكَبَائِرِ"

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ٢ ص ٤٥٩)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"عَنْ أَبِي الْعَالِيَةَ أَنَّ عُمَرَ كَتَبَ إِلٰى أَبِي مُوسٰى وَاعْلَمْ أَنَّ جَمْعًا بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ"

حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں بغیر عذر کے جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(مصنف عبدالرزاق باب الجمع بين الصلوتين في السفر جلد ٢ ص ٥٥٢)

مؤطا امام محمد میں ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَتَبَ فِي الآفَاقِ يَنْهَاهُمْ أَنْ يَجْمَعُوا بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ وَيُخْبِرُهُمْ أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ كَبِيرَةٌ مِنَ الْكَبَائِرِ"

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمال حکومت کو لکھ بھیجا کہ وہ لوگوں کو دو نمازوں کے جمع کرنے سے روکیں اور سب کو آگاہ کریں کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

(موطا الامام محمد باب الجمع بین الصلوتین فی لسفر ص ۱۳۲)

یہ روایات اس بات کا ثبوت ہیں کہ ایک وقت میں دو مختلف اوقات کی نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں اور ایسا کرنے والا گناہ کبیرہ کا مستحق ہوگا نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصی طور پر خط کے ذریعے اس بات سے آگاہ کرنا بلکہ اپنے اعمال کو یہ تنبیہ کرنا کہ وہ لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کریں انتہائی اہم اور قابل غور بات ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى صَلٰوةً إِلاَّ لِوَقْتِهَا إِلاَّ أَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِعَرَفَةَ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجُمَعٍ"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے وقت میں ہی۔ ماسوا اس کے کہ آپ نے ظہر اور عصر کو "عرفہ" میں اور مغرب اور عشاء کو "مزدلفہ" میں جمع فرمایا۔

(مصنف عبدالرزاق باب الجمع بین الصلوتین فی السفر جلد ۲ ص ۵۵۱)

سنن نسائی میں ہے:

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ قَالَ إِقَامَةُ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ

سے پوچھا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے آپ نے فرمایا نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا۔

(سنن نسائی باب فضل الصلوۃ لمواقیتھا جلد ۱ ص ۱۰۰)

مصنف عبدالرزاق میں ہے :

" عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ كُلَّ صَلٰوةٍ لِوَقْتِهَا "

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ حضرت ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سفر میں ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر جلد ۲ ص ۵۵۲)

ایک اور حدیث میں ہے :

" عَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ صَلُّوْا كُلَّ صَلٰوةٍ لِوَقْتِهَا "

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں ہی ادا کرو۔

(مصنف عبدالرزاق باب الجمع بین الصلوتین فی السفر جلد ۲ ص ۵۵۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز کو اس کے اصل وقت میں پڑھنا محبوب ترین عمل ہے بلکہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کے عمل کے عین مطابق ہے نیز نماز کو اس کے اپنے وقت میں تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا باعثِ نجات بھی ہے۔

دو نمازوں کو صورۃ جمع کرنا جائز ہے۔

دو نمازوں کو ان کے اپنے اپنے وقت میں اس طرح پڑھنا کہ وہ صورتاً جمع ہو جائیں صحیح اور جائز ہے۔

شرح معانی الآثار میں ہے :

" عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُقَدِّمُ الْعَصْرَ وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُقَدِّمُ الْعِشَاءَ "

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں نماز ظہر کو تاخیر سے اور نماز عصر کو جلدی ادا کرتے تھے اسی طرح نماز مغرب کو تاخیر سے اور نماز عشاء کو جلدی ادا کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوتین کیف هو جلد ۱ ص ۹۷)

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دو قریب الوقت نمازوں میں سے پہلی کو انتہائی تاخیر سے اور دوسری کو بالکل اس کے ابتدائی وقت میں ادا کرنے سے وہ دونوں نمازیں بظاہر جمع ہو جاتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ دونوں نمازیں اپنے اصل وقت میں ہی ادا ہوتی ہیں۔

موطا امام مالک میں ہے:

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي سَفَرِهٖ إِلٰى تَبُوْكَ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کے سفر میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

(موطا الامام مالك باب الجمع بين الصلوتين ص ۱۲٤)

اس حدیث میں نماز ظہر اور نماز عصر کو جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ وہی مفہوم ہے جو بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت میں ہی ادا کیا گیا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نماز ظہر کو اس کے انتہائی آخری وقت میں ادا کیا اور نماز عصر کو اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا کیا اس طرح ادا کرنے سے دونوں نمازیں

صورتاً جمع ہو گئیں اس کی تائید اس روایت سے بھی ہو رہی ہے۔

صحیح بہاری میں معجم الکبیر کے حوالے سے روایت نقل کی گئی ہے :

" عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ يُؤَخِّرُ هٰذِهٖ فِی آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعَجِّلُ هٰذِهٖ فِی أَوَّلِ وَقْتِهَا "

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز مغرب اور نماز عشاء کو جمع کر کے پڑھ لیا کرتے تھے اس طرح کہ نماز مغرب کو انتہائی تاخیر کے ساتھ اور نماز عشاء کو اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا کرتے تھے ۔

(صحیح بہاری باب الجمع الصوری بین الصلوتین فی السفر ص ۷۱۰)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" عَنِ الْحَسَنِ وَ مُحَمُّوْدٍ قَالاَ مَا نَعْلَمُ مِنَ السُّنَّةِ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِی حَضَرٍ وَلاَ سَفَرٍ إلاَّ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِعَرَفَةَ وَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ "

حضرت حسن اور حضرت محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق سنت یہی ہے کہ سفر و حضر میں دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع نہیں کیا جا سکتا البتہ عرفہ میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باب من کرہ الجمع بین الصلوتین جلد ۱ ص ۴۵۸)

یہ تمام احادیث جو بیان کی گئی ہیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ دو نمازوں کو حقیقتاً جمع کرنا یعنی ان کو ایک نماز کے وقت ادا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ

ہر نماز کو اس کے اپنے وقت میں ادا کرنا ضروری ہے اور مختلف احادیث میں جہاں کہیں بھی نمازیں جمع کر کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے دو نمازوں کو ان کے اپنے وقت میں اس طرح ادا کیا کہ وہ بظاہر جمع ہو گئیں۔ یاد رہے کہ عرفات میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

مسافت شرعی کا بیان

مسئلہ :- شرعی سفر کا فاصلہ کہ جس میں نماز قصر پڑھنا ضروری ہے۔ تین دن اور تین راتوں تک متوسط رفتار سے چلنے کے برابر مسافت ہے اس سے کم فاصلے کا سفر شرعی سفر نہیں ہے۔

دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو جو سہولتیں دی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سفر کے دوران وہ چار رکعتوں والے فرائض نصف کر کے پڑھیں اور سفر سے مراد شرعی سفر ہے جس کا فاصلہ تین دن اور تین راتوں کے سفر کا ہے اور یہ تقریباً بانوے (۹۲) کلومیٹر بنتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اتنے فاصلہ تک کا سفر اختیار کرے اس کے لئے قصر پڑھنا ضروری ہے۔

زجاجۃ المصابیح میں کتاب الآثار کے حوالہ سے روایت نقل کی گئی ہے :

" عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ الْوَالِبِي قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللّٰہ عنہما إِلٰى كَمْ تَقْصِيْرِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ أَتَعْرِفُ السُّوَيْدَاءِ؟ قَالَ قُلْتُ لَا ، قَالَ هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ قَوَاصِدَ فَإِذَا خَرَجْنَا إِلَيْهَا قَصَرْنَا الصَّلٰوةَ "

حضرت علی بن ربیعہ والبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کتنی مسافت کے سفر پر نماز قصر پڑھنا چاہیۓ انہوں نے فرمایا تم سویدا (جگہ کا نام) کو جانتے ہو ؟ میں نے عرض کیا نہیں تو فرمایا یہ تین راتوں کا سفر ہے جب ہم وہاں جاتے تو قصر پڑھتے۔

(زجاجۃ المصابیح باب صلوۃ السفر جلد ۱ ص ۳۷۹)

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ شرعی سفر جس میں قصر نماز پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے اس کی مسافت تین دن اور تین راتوں کا اونٹ کی درمیانی

رفتار سے سفر ہے جب کوئی شخص اتنی دوری کا سفر اختیار کرے۔ تو وہ چار رکعتوں والی فرض نماز کو نصف کر کے پڑھے اور اگر اس سے کم فاصلہ کا سفر ہے تو نماز پوری یعنی چار رکعتیں ہی ادا کرے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قُلْتُ لابْنِ عَبَّاسٍ أَقْصِرُ إِلٰي عَرَفَةَ فَقَالَ لاَ۔ قُلْتُ أَقْصِرُ إِلٰى مُرٍّ؟ قَالَ لاَ قُلْتُ أَقْصِرُ إِلَى الطَّائِفِ وَإِلٰى عَسْفَانَ قَالَ نَعَمْ "

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما سے پوچھا کہ عرفہ میں نماز قصر پڑھوں انہوں نے فرمایا نہیں میں نے پھر پوچھا کہ "مر" کے سفر میں نماز قصر پڑھوں تو فرمایا نہیں پھر میں نے پوچھا کہ طائف اور عسفان کے سفر میں قصر پڑھوں تو انہوں نے فرمایا : ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ٤٤٥)

ایک اور حدیث میں ہے :

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ لاَ تَقْصِرُ إِلٰى عَرَفَةَ وَبَطْنِ نَخْلَةَ وَ أَقْصِرِ إِلٰى عَسْفَانَ وَالطَّائِفِ وَجَدَّةَ "

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم عرفہ اور بَطْنِ نَخْلَہ کے سفر میں قصر نہ پڑھو البتہ عسفان، طائف اور جدہ کے سفر میں قصر پڑھا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ٤٤٥)

سنن دار قطنی میں ہے :

" يَا أَهْلَ مَكَّةَ لاَ تَقْصِرُوا فِيْ أَدْنٰى مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ "

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اے مکہ والو چار " برد " سے کم سفر کے دوران نماز قصر نہ پڑھا کرو۔ (سنن دار قطنی باب قدرا المسافة الخ جلد ۱ ص ۳۸٤)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مکہ سے عسفان، طائف اور جدہ کا سفر شرعی سفر ہے اور اس سے کم شرعی سفر نہیں ہے اسی طرح چار برد بھی تقریباً پچاس کے قریب شرعی میل اور نوے سے زائد کلو میٹر بنتے ہیں چونکہ مکہ وغیرہ اور بطن نخلہ کے درمیان اس قدر فاصلہ نہیں ہے اس لئے یہ مسافت شرعی سفر کے زمرے میں نہیں آتی اگر کوئی شخص دس یا بیس کلو میٹر کے سفر میں بھی نماز قصر ادا کرتا ہے تو وہ ان تمام احادیث کے خلاف عمل کرتا ہے۔

عورت کا بغیر محرم کے تین دن کا سفر

صحیح مسلم میں ہے

" عن ابن عمران أنّ رسُوْل اللّٰه ﷺ قال لا تُسافِر المرأة ثلاثا أوْمعَهَا ذُوْ محْرَم "

حضرت ابن عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر اختیار نہ کرے۔

(صحیح مسلم باب سفر المرأة مع محرم الی حج جلد ۱ ص ۴۳۳)

ایک اور حدیث میں ہے:

" عنْ أبي سعِيْدِ الْخُدْرِي أنّ نبيّ اللّٰه ﷺ قال تُسافرْ امرأة فوْق ثلاث لَيالٍ إلاّ معَ ذِيْ محْرَم "

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عورت تین راتوں سے زائد کا سفر کسی محرم کے ساتھ کرے۔

(صحیح مسلم باب سفر المرأة مع محرم الی حج جلد ۱ ص ۴۳۳)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تین دن اور راتوں کے برابر مسافت کا سفر ہی شرعی سفر ہے اسی لئے حضور علیہ السلام نے عورت کو کسی

محرم کے ساتھ جانے کا پابند کیا ہے اور عورت کا اس حکم کے خلاف عمل کرنا حرام ہے۔

امام مسلم بن حجاج القشیری روایت کرتے ہیں:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاَ يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ أَنْ تُسَافِرَ ثَلاَثًا إِلاَّ وَ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ بغیر محرم کے تین دن کا سفر اختیار کرے۔

(صحیح مسلم باب سفر المرأة مع محرم الی حج جلد ۱ ص ۴۳۴)

مسافتِ شرعی کا اہم ترین ثبوت

سنن نسائی میں ہے:

"عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِي قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَتْ ائْتِ عَلِيًّا فَإِنَّهُ أَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنِّي فَأَتَيْتُ عَلِيًّا فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْمَسْحِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ يَّمْسَحَ الْمُقِيْمُ يَوْماً وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلاَثًا"

حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کی مدت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا تم حضرت علی کے پاس جاؤ کیونکہ اس کے بارے میں وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسح کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہم سب کو یہ حکم دیا ہے کہ مقیم ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر تین دن اور تین

راتوں تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔

(سنن نسائی باب التوقیت فی المسح للمقیم جلد ۱ ص ۳۲)

اس حدیث سے صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرعی سفر کا فاصلہ تین دن اور تین راتوں کے برابر کی مسافت ہے جو محققین کے نزدیک اونٹ پر متوسط رفتار سے کیا جائے اتنی مسافت کا سفر اختیار کرنے والا شرعی طور پر مسافر کہلائے گا اور اس پر نماز قصر پڑھنا ضروری ہوگا اور رمضان کے روزوں میں بھی اسے رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

شرح معانی الآثار میں ہے :

" قَدْ تَوَاتَرَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالتَّوْقِيْتِ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَلِلْمُقِيْمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ "

امام طحاوی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے منقول ہے کہ مسافر کے لئے مدت مسح تین دن اور تین راتیں جب کہ مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے۔

(شرح معانی الآثار باب المسح علی الخفین کم وقتہ للمقیم والمسافر جلد ۱ ص ۵۰)

سنن نسائی میں ہے :

" عَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيْهِنَّ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ "

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور راتیں جب کہ مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات مدت مسح مقرر کی ہے۔

(سنن نسائی باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم جلد ۱ ص ۳۲)

کتب احادیث میں اس طرح کی بے شمار روایات موجود ہیں جن میں مسافر کو تین دن اور تین راتوں تک موزوں پر مسح کی اجازت دی گئی ہے اور

شرعی سفر کی حد کے بارے میں یہ سب سے اہم دلیل ہے اور اس بات کا واضح ثبوت بھی ہے کہ تین دن اور تین راتوں کے برابر سفر حقیقتاً شرعی سفر ہے اور اتنا سفر اختیار کرنے والے پر ہی مسافر کے احکام نافذ ہونگے جبکہ تین دن اور تین راتوں کی مسافت سے کم سفر کرنے والا مسافر نہیں ہے اس لئے اس پر مسافر کے احکام بھی نافذ نہیں ہوں گے۔

علاوہ ازیں اعلیٰحضرت کی تحقیق کے مطابق ساڑھے ستاون میل یعنی بانوے (۹۲) کلومیٹر کی مسافت کا سفر شرعی سفر ہے بہر حال یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسافت شرعی کا جو فاصلہ مذکورہ بالا روایات میں بیان کیا گیا ہے اس سے کم سفر کو کسی طور پر بھی شرعی سفر نہیں کہا جا سکتا۔

نوٹ :- ایک قول کے مطابق شرعی سفر کا فاصلہ ۹۸ کلومیٹر اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۱۱۵ کلومیٹر ہے۔

☆☆☆☆☆

نماز وتر اور دعائے قنوت کا بیان

مسئلہ :- نماز عشاء کے بعد تین رکعت نماز وتر ادا کرنا واجب ہے اور نماز وتر کی آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا بھی واجب ہے۔

نماز وتر بڑی اہم نماز ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے : اے اہلِ قرآن نماز وتر پڑھا کرو ! کیونکہ یہ نماز اللہ کو بہت محبوب ہے۔ اس لئے نماز وتر کا ادا کرنا بہت ضروری ہے اس کا ترک کرنا کسی صورت جائز نہیں اگر سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز وتر رہ جائے تو قضاء کرنا ضروری ہے۔ نماز وتر کے بارے میں چند اہم باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے :

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز وتر ادا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ ص ۲۰۱)

موطا امام مالک میں ہے :

"عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ أَ وَاجِبٌ ؟ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ أَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُاللّٰهِ يَقُوْلُ أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ أَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ"۔

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز وتر کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ نماز واجب ہے ؟ تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز وتر

پڑھی اور تمام مسلمانوں نے بھی نمازِ وتر پڑھی وہ شخص مطمئن نہ ہوا تو حضرت ابن عمر نے پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور تمام مسلمانوں نے بھی وتر پڑھے۔

(موطّا الامام مالك ' باب الامر بالوتر ص ۱۰۹)

زجاجۃ المصابیح میں ہے:

"إنَّ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَدِمَ الشَّامَ فَوَجَدَ أَهْلَ الشَّامَ لَايُوْتِرُوْنَ فَقَالَ لِمُعَاوِيَةَ مَا لِيْ أَرَاكُمْ أَهْلَ الشَّامِ لَايُوْتِرُوْنَ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ أَ وَاجِبٌ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ؟ فَقَالَ نَعَمْ!"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تو دیکھا کہ شام کے لوگ وتر نہیں پڑھتے۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ سے کہا۔ کیا ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ شام کے لوگ نمازِ وتر میں کوتاہی کرتے ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل سے کہا کہ کیا نمازِ وتر ان پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! (واجب ہے)

(زجاجة المصابيح باب الوتر جلد ۱ ص ۳۵٤)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

"عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرٍ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَهُ"

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو نمازِ وتر پڑھنا بھول گیا یا نیند کی وجہ سے نمازِ وتر نہ پڑھ سکا تو اسے چاہیئے کہ وہ صبح یا جب اسے یاد آجائے نمازِ وتر ادا کرے۔

(سنن ابن ماجه باب من نام عن وتر او نسيه ص ۸۳)

ایک اور روایت میں ہے:

"عن ابنِ طاؤُوسٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ الْوِتْرُ وَاجِبٌ يُعَادُ إِلَيْهِ إِذَا نَسِيَ"

حضرت ابن طاؤس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ وتر واجب ہے اگر کوئی شخص بھول جائے جب بھی ان کو ادا کرنا چاہیئے۔ (مصنف عبدالرزاق باب وجوب الوتر جلد ۳ ص ۸)

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نماز وتر سنت غیر مؤکدہ یا سنت مؤکدہ نہیں ہے بلکہ "واجب" ہے؛ لہٰذا ان کو ہر حال میں ادا کرنا چاہیئے اگر سستی کی وجہ سے رہ جائیں تو فرائض کی طرح ان کی بھی قضا پڑھنا ضروری ہے۔ کسی کے ذہن میں اگر یہ خیال موجود ہے کہ نماز وتر کی ادائیگی واجب نہیں تو اسے ان احادیث پر غور و فکر کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا یہ خیال اور عمل حدیث کے بالکل خلاف ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے:

"عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا، اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا، اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا"

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وتر واجب ہیں۔ جس نے وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر واجب ہیں جس نے وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر واجب ہیں جس نے وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ ص ۲۰۱)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: حدیث میں "حق" کا لفظ آیا ہے جس کا معنی "واجب" ہے۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ جو نماز وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ بہت سخت وعید ہے جو صرف فرض یا واجب کے ترک کرنے پر کی جاتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی اور اس قسم کی تنبیہ ایسی تاکیدات کے ساتھ سنت کے بارے میں نہیں ہو سکتی۔

نماز وتر تین رکعت ہیں:

شرح معانی الآثار میں ہے:

"أنَّ النَّبِيَّ ﷺ يُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ"

رسول اللہ ﷺ نماز وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب الوتر جلد ۱ ص ۱۹۸)

مستدرک میں ہے:

"عَنْ عائشة قالت كان رسُوْلُ اللّٰه ﷺ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لايُسلِّمُ إلاَّ فِيْ آخرِهِنَّ وهٰذا وِترُ أميرِ الْمُؤمنين عُمرابنِ الْخطَّاب"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر تین رکعت پڑھتے تھے اور تین رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اتنے ہی وتر ادا کرتے تھے۔

(مستدرک کتاب الوتر جلد ۱ ص ۳۰۴)

جامع ترمذی میں ہے:

"عَنْ عليٍّ كان رسُوْلُ اللّٰه ﷺ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (رواہ الترمذی) وقال قد ذهب قومٌ مِنْ أهلِ الْعِلْمِ مِنْ أصحاب النَّبيِّ وغيرِهِمْ إلٰى هٰذا"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت نماز وتر پڑھتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اہل علم صحابہ کرام کا بھی یہی موقف ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الوتر جلد ۱ ص ۱۰۶)

زجاجۃ المصابیح میں ہے :

"عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلاَثِ رَکْعَاتٍ"

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت نمازِ وتر ادا کرتے تھے۔ (زجاجۃ المصابیح باب الوتر جلد ۱ ص ۳۰۹)

ایک اور روایت میں ہے :

"عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَوْتَرَ النَّبِیُّ ﷺ بِثَلاَثٍ"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ وتر تین رکعت پڑھی۔ (زجاجۃ المصابیح باب الوتر جلد ۱ ص ۳۰۹)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

"عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّہٗ اَوْتَرَ بِثَلاَثِ رَکْعَاتٍ"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ تین رکعت نماز وتر پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۲۹۴)

نماز وتر کی تعداد کے بارے میں یہ روایات بہت ہی واضح ہیں کیونکہ ان تمام احادیث میں صراحتاً وتر کے ساتھ "ثلاث" کا لفظ آیا ہے جس سے عام فہم آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ نماز وتر تین رکعت ہیں۔ نہ تین سے کم، نہ ہی تین سے زیادہ۔ لیکن کچھ لوگ غبی ذہن کے مالک ہوتے ہیں اور ان کو کوئی بھی بات آسانی سے سمجھ نہیں آتی اس لئے ان کو سمجھانے کے لئے بڑی تگ ودو کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایک ایک چیز واضح کر کے اور مثالیں دے دے کر بات ان کے ذھن میں بٹھائی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ میں مزید صراحت ووضاحت ملاحظہ ہو۔

سننِ دارِ قطنی میں ہے :

" عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وِتْرُ اللَّیْلِ ثَلاَثٌ کَوِتْرِ النَّہَارِ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ "

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دن کے وتر یعنی نماز مغرب کی طرح رات کے وتر بھی تین رکعت ہیں۔

(سنن دارقطنی باب الوتر ثلاث جلد ۲ ص ۲۸)

سنن نسائی میں ہے :

"عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقْرَأُ فِی الْوِتْرِ بِـ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَفِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ بِـ قُلْ یَا اَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ وَفِی الرَّکْعَةِ الثَّالِثَةِ بِـ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَلَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِی آخِرِهِنَّ"

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر کی پہلی رکعت میں "سورۃ الاعلیٰ" دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے اور تین رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب الصلاۃ جلد ۱ ص ۲۸٤)

علمائے امت اور فقہاء کرام کے نزدیک نماز وتر تین رکعت ہیں حضرت عمر حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت حذیفہ حضرت ابن عباس حضرت انس حضرت ابو امامہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور فقہائے سبعہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام ابن ابی شیبہ حضرت حسن کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ نماز وتر کے تین رکعت ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ عشاء ادا کی اور آخر میں تین رکعت نماز وتر پڑھی آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے بھی تین رکعت نمازِ وتر پڑھی ۔

(مصنف عبد الرزاق باب الوتر جلد ۳ صفحہ ۲۰)

ایک اور روایت میں ہے :

" عَنْ اَبِی الْبُخْتَرِیْ اَنَّہٗ کَانَ یُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ فِیْ رَمَضَانَ وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ "

حضرت ابو البختری رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں پانچ ترویحے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۲۹۳)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں نمازِ وتر تین رکعت ہی ادا کی جاتی تھی۔

دعائے قنوت وتر کی آخری رکعت میں واجب ہے

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْنُتُ فِی الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ "

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ وتر میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۳۰۲)

سنن ابن ماجہ میں ہے :

" عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُوْتِرُ فَیَقْنُتُ قَبْلَ الرُّکُوْعِ "

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ وتر پڑھتے تھے تو رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ باب ما جاء فی القنوت قبل الرکوع ص ۸۳)

زجاجۃ المصابیح میں طبرانی کے حوالے سے روایت نقل کی گئی ہے :

" عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَکْعَاتٍ

وَيَجْعَلُ الْقُنُوْتَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ"

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت نمازِ وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

(زجاجة المصابيح باب القنوت جلد ١ ص ٣٥٩ (طبرانی اوسط)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دعائے قنوت نمازِ وتر میں رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئے۔ یاد رکھنا چاہئیے کہ دعائے قنوت نمازِ وتر کی آخری رکعت میں ہی پڑھنا درست ہے۔

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفْلَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيًّا يَقُوْلُوْنَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ آخِرِ الْوِتْرِ وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ"

حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ وتر کے آخر میں دعائے قنوت پڑھی اور وہ خود بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

(زجاجة المصابيح باب القنوت جلد ا ص ٣٥٩)

ابو نعیم روایت کرتے ہیں:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَوْتَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِثَلَاثٍ فَقَنَتَ فِيْهَا قَبْلَ الرُّكُوْعِ"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین رکعت نمازِ وتر پڑھی اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی۔

(ابو نعيم فی الحليه)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهٗ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَيَقْنُتُ فِيْ

الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ"

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ تین رکعت نماز وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۲۹٤)

نماز فجر میں دعائے قنوت نہیں پڑھنی چاہئے

سننِ دارِ قطنی میں ہے

"عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الْفَجْرِ"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے سے منع فرمایا۔

(سنن دار قطنی باب صفة القنوت و بیان موضعه جلد ۲ ص ۳۸)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے

"عَنْ طَلْحَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ لَمْ يَقْنُتْ فِي الْفَجْرِ"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۳۰۹)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ وَعَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْأَوْدِيِّ قَالَا صَلَّيْنَا خَلْفَ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ الْفَجْرَ فَلَمْ يَقْنُتْ"

حضرت اسود بن یزید اور حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، تو

انہوں نے دعائے قنوت نہیں پڑھی۔

(مصنف عبدالرزاق باب القنوت جلد ۳ ص ۱۰۶)

ایک اور روایت میں ہے:

"عَنِ ابْنِ اَبِيْ نُجَيْحٍ قَالَ سَأَلْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ هَلْ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ ؟ قَالَ لَا ، إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ أَحْدَثَهُ النَّاسُ بَعْدُ"

حضرت ابن ابی نجیح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سالم بن عبداللہ سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، یہ عمل تو لوگوں نے بعد میں شروع کیا ہے

(مصنف عبدالرزاق باب القنوت جلد ۳ ص ۱۰۸)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عَنْ اَبِيْ سُلَيْمِ الشَّعْثَاءِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْقُنُوْتِ فِي الْفَجْرِ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ؟"

حضرت ابو سلیم شعثاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نمازِ فجر میں دعائے قنوت پڑھنے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: وہ کیا شے ہے؟

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۳۰۹)

سننِ بیہقی میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهٗ قَالَ الْقُنُوْتُ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بِدْعَةٌ"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

(السنن الکبری کتاب الصلوٰۃ جلد ۲ ص ۲۱۴)

حضرت امام محمد روایت کرتے ہیں:

"عَنْ نَافِعٍ قَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ"

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر صبح کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے ۔

(موطاامامحمد باب القنوت فی الفجر ص ۱۴۵)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" أَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَ لاَ يَقْنُتُ فِي الْفَجْرِ "

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۳۰۹)

مذکورہ بالا تمام روایات اس بات کی واضح ترین دلیل ہیں کہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا درست نہیں اور بعض لوگوں کا جو خیال ہے کہ دعائے قنوت فجر کی نماز میں پڑھنا چاہیے ، یہ قطعاً درست نہیں ؛ کیونکہ مذکورہ احادیث سے یہ مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ دعائے قنوت نمازِ وتر کی آخری رکعت میں رکوع ادا کرنے سے قبل پڑھنا ہی صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔اور فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا خلافِ سنت اور بدعت ہے۔

☆☆☆☆☆

نماز تراویح کا بیان

مسئلہ :- رمضان المبارک میں ہر رات نماز عشا کے بعد بیس رکعت نماز تراویح ادا کرنا سنت ہے اور اس سے کم پڑھنا خلاف سنت ہے۔

رمضان المبارک کی راتوں کو نماز تراویح ادا کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے۔

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِیْمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ماہ رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ قیام کیا اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(سنن ابی داود کتاب الصلوۃ جلد ۱ ص ۱۹۴)

اس لئے تمام مسلمانوں کو اس بات سے ضرور آگاہ ہونا چاہئے کہ نماز تراویح کتنی رکعتیں ادا کرنا سنت ہے ؟ اور صحابہ کرام کا اس سلسلے میں کیا عمل رہا ہے۔

امام بخاریؒ کے استاذ امام ابوبکر ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَكْعَةً فِیْ غَیْرِ الْجَمَاعَةِ وَالْوِتْرِ"

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت نماز تراویح اور وتر ادا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۳۹۴)

کشف الغمہ میں ہے :

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَكْعَةً فِیْ غَیْرِ الْجَمَاعَةِ وَالْوِتْرِ وَكَانَ یَتَرَوَّحُ فِیْهَا بَیْنَ كُلِّ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ سَاعَةً"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت نماز تراویح اور وتر ادا کرتے تھے اور ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر استراحت فرماتے تھے

(کشف الغمہ کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۱۴۶)

تراویح ترویحہ کی جمع ہے جس کے معنی استراحت اور سکون کے ہیں۔ نماز تراویح کو" تراویح" کا نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے۔

فائدہ :- عربی زبان میں جمع کا اطلاق تین اور اس سے زیادہ پر ہوتا ہے اور نماز تراویح میں چونکہ پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت ہوتی ہیں اس لئے لفظ تراویح جمع استعمال ہوا۔ اگر یہ نماز آٹھ یا دس رکعت ہوتی تو اس صورت میں دو ترویحے ہونے کی وجہ سے اسے ترویحتین کہا جاتا، نہ کہ تراویح۔ یہ بات بھی یاد رہنی چاہئیے کہ جن روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے گیارہ رکعت نماز ادا کی اس سے مراد وتر اور تہجد کی نماز ہے۔

موطا امام مالک میں ہے :

”عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً“

حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہم لوگ دوران رمضان تئیس رکعت ادا کرتے تھے۔

(موطا الامام مالک باب ماجاء فی قیام شہر رمضان ص ۹۸)

زجاجۃ المصابیح میں ہے :

”عَنْ سَائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ عَهْدِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ وَعَلٰى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ مِثْلَهُ“

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت نماز تراویح اور وتر ادا کرتے تھے

حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی یہی معمول رہا۔

(زجاجة المصابيح باب قيام شهر رمضان ص ٣٦٦)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

”عَنْ سَائِبِ بْنِ يَزِيْدِ وَكَانَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ ثَلَاثَةً وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً“

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تئیس رکعتیں ادا کی جاتی تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق باب قيام رمضان جلد ٤ ص ٢٦٢)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ عظیم صحابی ہیں جن کے موقف کی تائید میں کئی مرتبہ قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں اور جن کے بارے میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ”اگر میرے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو یقیناً وہ عمر ہی ہوتے“۔

آپ کے دور خلافت میں صرف یہی نہیں کہ لوگ بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے تھے بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باجماعت بیس رکعت نماز تراویح کی ادائیگی کا اہتمام کیا اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو اس مقصد کے لئے امام مقرر کیا جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے۔

”عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ وَكَانَ يُصَلِّىْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً“

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں لوگوں کو جمع کیا اور وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے

(سنن ابی داؤد كتاب الصلوة جلد ١ ص ٢٠٢)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

”عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّىْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً“

حضرت یحیٰ بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھائے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۲۹۳)

اس روایت کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نے بھی اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور اس کے بعد بیس رکعت نماز تراویح ہی ادا کی جاتی تھیں۔ اور ظاہر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء راشدین کے زمانہ میں تمام لوگ صحابی تھے یا تابعی، اس لئے یہ بات بڑے یقین سے کہی جا سکتی ہے۔ کہ خلفائے راشدین کے دور میں بیس رکعت نماز تراویح پر امت مسلمہ کا اتفاق تھا۔

سنن کبریٰ میں ہے:

”عَنْ اَبِی عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْاَسْلَمِیِّ أَنَّ عَلِیًّا دَعَا الْقُرَّآءَ فِیْ رَمَضَانَ فَأَمَرَ رَجُلًا بِأَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِیٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ“

حضرت ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماہ رمضان میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھائے۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔
(السنن الکبری کتاب الصلوۃ جلد ۲ ص ۴۹۶)

اس حدیث کی وضاحت میں علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

” فَاِنَّهٗ قَدْ ثَبَتَ اَنَّ اُبَیَّ ابْنَ كَعْبٍ كَانَ يَقُوْمُ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِیْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ فَرَأٰى كَثِيْرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ اَنَّ ذٰلِكَ هُوَ السُّنَّةُ لِاَنَّهٗ قَامَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ مُنْكِرٌ “

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ماہ رمضان

میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے ؛ اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس رکعت نماز تراویح ہی سنت ہے ۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کے درمیان کھڑے ہو کر بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے، اور کسی نے بھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا ۔

(مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ جلد ۲۳ ص ۱۱۲)

" مقالات کاظمی " میں علامہ احمد سعید کاظمیؒ نے کنزالعمال کے حوالے سے روایت بیان کی ہے :

"عَنْ اَبِي الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِيًّا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً"

حضرت ابو الحسناء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھائے۔

(مقالات کاظمی کتاب التراویح بحوالہ کنز العمال)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ دونوں روایتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ نماز تراویح بیس رکعت ہیں خصوصاً حضرت ابو الحسناء کی روایت قابل غور ہے جس میں پانچ ترویحوں کا ذکر آیا ہے اور ساتھ ہی بیس رکعت کے ساتھ اس کی وضاحت اور تفسیر بھی کر دی گئی ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے :

"عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَؤُمُّنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَكَانَ يُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ"

حضرت اسماعیل بن عبدالملک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہمیں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے اور وہ پانچ ترویحے پڑھاتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب قیام رمضان جلد ٤ ص ٢٦٦)

ایک اور روایت میں ہے :

"عَنْ اَبِی الْبُخْتَرِیْ أَنَّہٗ کَانَ یُصَلِّیْ خَمسَ تَرْوِیْحَاتٍ فِیْ رَمَضَانَ وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ"

حضرت ابو البختری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ماہ رمضان میں پانچ ترویحے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۲۹۳)

اوجز المسالک میں امام بیہقی کے حوالے سے روایت نقل کی گئی ہے :

" عَنْ أبِی الْخُصَیْبِ قَالَ کَانَ یَؤُمُّنَا سُوَیْدُ بْنُ غَفلَۃَ فِیْ رَمَضَانَ فَیُصَلِّیْ خَمسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً"

حضرت ابو الخصیب سے روایت ہے کہ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ ماہِ رمضان میں ہماری امامت فرماتے اور پانچ ترویحے بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

(اوجز المسالک باب الترغیب فی الصلوٰۃ فی رمضان جلد ۱ ص ۳۹۷)

ان روایات میں بھی پانچ ترویحوں کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح بیس رکعتیں ادا کرنا ہی درست ہے اس سے کم یا زائد رکعتیں ادا کرنا قطعاً درست نہیں۔ بیس رکعتوں کے بارے میں بے شمار احادیث اور روایات کتب احادیث میں موجود ہیں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے :

" عَنْ حَسَنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ بْنِ رَفِیْعٍ قَالَ کَانَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ بِالْمَدِیْنَۃِ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ"

حضرت حسن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ النبی میں رمضان المبارک کے دوران لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح اور تین رکعت نماز وتر پڑھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوات جلد ۲ ص ۲۹۳)

اوجز المسالک میں ہے :

"رَوٰی مُحَمَّدُ بْنُ نَصرٍ بِسَنَدِہٖ عَنِ الْاَعْمَشْ عَنْ زَیْدِ بْنِ وَھْبٍ قَالَ کَانَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ یُصَلِّیْ لَنَا فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ

قَالَ الاَعمَشُ کَانَ یُصَلِّیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃَ "

حضرت محمد بن نصر رضی اللہ عنہ نے اپنی سند سے بواسطہ حضرت اعمش زید بن وہب سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں ماہ رمضان میں نماز پڑھاتے تھے۔ اعمش کہتے ہیں۔ بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

(اوجز المسالك باب الترغيب في الصلوة في رمضان جلد ١ ص ٢٩٨)

ایک اور روایت میں ہے:

"عَنِ الْحَارِثِ اَنَّہٗ کَانَ یَؤُمُّ النَّاسَ فِیْ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃَ "

روایت ہے کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ لوگوں کی امامت کراتے تھے۔

(اوجز المسالك باب الترغيب في الصلوة في رمضان جلد ١ ص ٣٩١)

محدثین کرام اور فقہائے عظام کی بھی یہی رائے ہے کہ نماز تراویح "بیس رکعت" ہیں۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب نیل المآرب میں ہے کہ نمازِ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک یہ بیس رکعت ہیں۔

علامہ عینی امام عبدالبر کے حوالے سے فرماتے ہیں: "جمہور علماء اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے کہ نماز تراویح بیس رکعت ہے"۔

علامہ ابن حجر شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ " بیس رکعت نماز تراویح پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے"۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

" امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز تراویح بیس رکعت

ہیں۔ فتح الباری میں محمد بن نصر کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ ماہ رمضان میں لوگ بیس رکعت تراویح ہی ادا کرتے ہیں۔

نماز تراویح کے سلسلہ میں جو روایات بیان کی گئی ہیں یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ بیس رکعت نماز تراویح پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ اور ہمیشہ سے اسی پر تمام صحابہ کرام، تابعین اور جمہور ائمہ و عامۃ المسلمین کا عمل رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کا بیان

مسئلہ :- نماز جنازہ میں ثناء، درود پاک اور دعاء مغفرت کرنا سنت ہے سورۂ فاتحہ شریف یا کوئی آیت بطور قراۃ پڑھنا جائز نہیں۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور اس کے ادا کرنے سے مرنے والے کو بہت فائدہ پہنچتا ہے حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جس کے نماز جنازہ میں چالیس مسلمان شریک ہو جائیں۔ تو اللہ رب العزت اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔ یہ یاد رہنا چاہئے کہ نماز جنازہ دعا ہے اس لئے اس میں سورۂ فاتحہ کی قراۃ کرنا درست نہیں ہاں اگر دعا اور ثناء کی نیت سے قرآن پاک کی آیات پڑھی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مؤطا امام مالک میں ہے :

" عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَايَقْرَأُ فِى الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ "

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں کرتے تھے۔

(موطا الا مام مالك باب مايقول المصلى على الجنازة ص ۲۱۰)

زجاجة المصابيح میں ہے :

" رُوِیَ عن ابنِ مسعُودٍ أَنَّهُ قَالَ لَمْ يُوَقِّتِ النَّبِىُّ ﷺ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ فِى صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ "

روایت کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں قرآن مجید سے کچھ مقرر نہیں فرمایا۔

(زجاجة المصابيح كتاب الجنائز حلد ۱ ص ٤٦١)

مؤطا امام مالک میں ہے:

"سُئِلَ أبُوْهُرَيْرَة كَيْفَ يُصَلِّيْ عَلَى الْجِنَازَة فَقَالَ أبُوْهُرَيْرَة إنَا لَعُمْرُكَ أخْبِرُكَ اتَّبِعُهَا مِنْ عِنْدِ أهْلِهَا فَإذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللّٰهَ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ أقُوْلُ اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ میت پر نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے تو حضرت ابو ہریرہ فرمانے لگے تمہاری عمر کی قسم میں تجھے بتاتا ہوں میں میت کے ساتھ اس کے گھر سے چلتا ہوں پھر جب میت کو زمین پر رکھ دیا جاتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں پھر میں حضور علیہ السلام پر درود پڑھتا ہوں پھر میں یہ دعا مانگتا ہوں" اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ"

(موطا الامام مالک باب مایقول المصلی علی الجنازة ص ۲۰۹)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أبِيْهِ قَالَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ أأقْرَأُ عَلَى الْجِنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ؟ قَالَ: لَاتَقْرَأْ"

حضرت سعید بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بردہ سے کسی نے سوال کیا۔ کیا میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھوں؟ تو انہوں نے جواب دیا تم نہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز جلد۳ ص ۲۹۹)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے حضرت عمر، حضرت علی حضرت ابن عمر حضرت ابو ہریرہ حضرت عطاء حضرت ابن مسیب حضرت طاؤس حضرت سعید ابن سیرین حضرت سعید ابن جبیر حضرت شعبی حضرت حکم اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم نماز جنازہ

میں قراۃ نہیں کرتے تھے ۔امام مالک بھی فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے لوگ نماز جنازہ میں قراۃ نہیں کرتے تھے۔

مسئلہ :- نماز جنازہ چار تکبیرات ہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد حمد و ثناء ہوتی ہے دوسری تکبیر کے بعد حضور علیہ السلام پر درود پاک پڑھا جاتا ہے تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعاء پڑھی جاتی ہے۔اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے جیسا کہ

امام بخاری کے دادا استاذ امام عبدالرزاقؒ روایت کرتے ہیں :

”عَنِ الشَّعْبِی قَالَ التَّکْبِیْرَۃُ الأُوْلٰی عَلَی الْمَیِّتِ ثَنَاءٌ عَلَی اللّٰہِ وَالثَّانِیَۃُ صَلٰوۃٌ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَالثَّالِثَۃُ دُعَاءٌ عَلَی الْمَیِّتِ وَالرَّابِعَۃُ تَسْلِیْمًا “

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میت پر نماز جنازہ پڑھتے وقت جب پہلی تکبیر کہی جائے تو ثناء دوسری تکبیر پر رسول اللہ ﷺ پر درود پاک تیسری تکبیر پر میت کے لئے دعاء پڑھی جائے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیرا جائے۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب الجنائز جلد ۳ ص ۴۹۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ یا قرآن مجید کی کسی اور سورۃ کی تلاوت بطور قراۃ کرنا درست نہیں بہت سے اہلِ علم حضرات نے نماز جنازہ میں قراۃ قرآن کا انکار کیا ہے۔

جامع ترمذی میں ہے :

”قَالَ بَعْضُ أَھْلِ الْعِلْمِ لَایَقْرَأُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ إِنَّمَا ھُوَ الثَّنَاءُ عَلَی اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ﷺ وَالدُّعَاءُ لِلْمَیِّتِ “

یعنی بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں قراۃ نہیں کرنی چاہیے

بلکہ نماز جنازہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا ہے اور پھر میت کے واسطے دعا مانگنا ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الجنائز جلد ۱ ص ۱۹۹)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

"عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَأَلْتُه' أَيقْرَأ عَلَى الْمَيِّت إذَا صَلّى عَلَيْه؟ قَال لا"

حضرت حماد رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ان سے سوال کیا کہ جب میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو اس موقع پر قراۃ کرنی چاہئے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں کرنی چاہئے۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب الجنائز جلد ۳ ص ۴۹۱)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عَنْ إِبْرَاهِيْمَ وَ عَنِ الشَّعْبِى قَالاَ لَيْسَ فِى الْجَنَازَةِ قِرَأَةٌ"

حضرت ابراہیم اور حضرت شعبی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ نماز جنازہ میں قراۃ نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز جلد ۳ ص ۲۹۹)

ایک اور روایت میں ہے:

"عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي سَارَةَ قَالَ سَأَلْتُ سَالِمًا فَقُلْتُ الْقِرَأَةُ عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَالَ لاَ قِرَأَةَ عَلَى الْجَنَازَةِ"

حضرت عبداللہ بن ابی سارہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سالم سے پوچھا، نماز جنازہ میں قراۃ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: جنازہ میں قراۃ نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز جلد ۳ ص ۲۹۹)

مذکورہ بالا احادیث میں " لا قرأۃ " اور " لیس " کے الفاظ آئے ہیں جس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یعنی نماز جنازہ میں قرأۃ نہ کی جائے۔

صحیح بہاری میں ہے:

" عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَى الْمَیِّتِ فَاخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءُ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص میت پر نماز پڑھے تو انتہائی اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرے۔

(صحیح بہاری ابواب الجنائز ص۸۲۷)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میت کے لئے ایک دعاء ہے اس میں سورۂ فاتحہ اور قرآن پاک سے کوئی آیت یا سورۃ " قرأۃ " کے طور پر پڑھنا درست نہیں ہے البتہ اگر قرآن مجید کی کوئی آیت یا سورۃ بطورِ حمد و ثناء یا بطورِ دعاء پڑھی جائے تو درست ہے۔

علمائے احناف کا یہی فتوی ہے کہ سورۂ فاتحہ اگر ثناء یا دعاء کے طور پر پڑھی جائے تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔ احناف کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو مختلف احادیث میں خود بخود تطبیق اور موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

امام المسلمین حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات اور بہت سے انعامات واعزازات سے نوازا۔ آپ امت مسلمہ کے عظیم اور قابل فخر راہنما ہیں قرآن و حدیث اور فقہی علوم میں آپ اماموں کے امام ہیں دوسری صدی ہجری سے آج تک مسلمانوں کی اکثریت فقہ میں آپ کی پیروی کرتی چلی آرہی ہے آپ نے قرآن و حدیث سے ۱۲ لاکھ ۹۰ ہزار سے زیادہ مسائل اخذ کئے ہیں۔

ولادت ونسب

آپ چار شعبان ۸۰ھ کو خلافت اسلامیہ کے مشہور ترین شہر "کوفہ" میں پیدا ہوئے آپ کا نام نعمان والد کا نام ثابت جب کہ دادا کا نام نعمان ہے۔ایک اور روایت کے مطابق آپ کے دادا کا نام زوطی تھا۔ ابو حنیفہ آپ کی کنیت اور امام اعظم لقب ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ آپ کے والد ثابت کو بچپن میں آپ کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے انہوں نے دعا فرمائی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاء کا ہی ثمر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ثابت کے بیٹے ابو حنیفہ کو عزت و شہرت ، دولت اور علم بے بہا سے نوازا۔

حصولِ علم

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تاجر پیشہ تھے کاروباری

مصروفیات کی وجہ سے آپ کو کبھی تعلیم حاصل کرنے کا خیال نہ آیا۔ ایک مرتبہ آپ کاروباری سلسلہ میں بازار جارہے تھے کہ راستہ میں آپ کی ملاقات کوفہ کے بہت بڑے عالم حضرت امام شعبی سے ہوئی۔ جن کی ترغیب سے آپ کے دل میں علم کے حصول کا شوق پیدا ہوا، اور آپ نے علماء کی مجلس میں بیٹھنا شروع کردیا۔ اپنے شوق، محنت، قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے آپ نے بہت جلد تمام علوم وفنون میں کمال حاصل کرلیا۔

آپ کے اساتذہ کرام

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے عرب وعجم کے تمام بڑے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تھی۔ ترانوے شیوخ کا تعلق تو صرف کوفہ سے تھا آپ کے مشہور اساتذہ میں سے چند ایک یہ ہیں۔

☆ حضرت حماد بن ابی سلیمان الاشعری ☆ حضرت عطاء بن ابی رباح۔

☆ امام اوزاعی ☆ امام شعبی جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت کی۔

☆ حضرت مکحول ☆ حضرت عکرمہ تلمیذ رشید حضرت عبداللہ بن عباس۔

☆ حضرت عبداللہ بن سلیمان ☆ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر۔

☆ حضرت علقمہ بن مرثد ☆ حضرت نافع اور حضرت سعید بن مسروق۔

اس کے علاوہ آپ چونکہ تابعی تھے اور آپ نے حضرت انس، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ کی زیارت کی تھی اور ان سے حدیث بھی روایت کی ہے اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ صحابہ کرام سے بھی فیضیاب ہوئے۔

آپ کے شاگرد

جس شخص نے چار ہزار اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ہو۔ اور پھر زندگی بھر اپنے علم و فضلے عالم کو منور کرتا رہا ہو، اس کے شاگردوں کا شمار نہایت مشکل کام ہے۔ آپ کے تقریباً چھتیس شاگرد مجتہد کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور ہزاروں تلامذہ وقت کے امام ہوئے۔

چند مشہور تلامذہ یہ ہیں !

- ☆ حضرت امام ابو یوسف ، تاریخ اسلام کے پہلے چیف جسٹس
- ☆ حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی
- ☆ حضرت امام زفر بن ہذیل
- ☆ حضرت ابراہیم بن ادھم
- ☆ حضرت بشر بن حارث الحافی
- ☆ حضرت امام وکیع
- ☆ حضرت امام یحیٰ بن سعید القطان

اس کے علاوہ حضرت امام شافعیؒ امام محمد بن حسن الشیبانی کی کتب سے استفادہ کر کے امام فقہ بنے ، جب کہ امام احمد بن حنبل امام شافعی کے شاگرد تھے ۔ اس لحاظ سے یہ بزرگ بھی آپ کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔

استاذ کا ادب

حضرت حماد بن ابی سلیمان کی زندگی میں ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ علم و فضل میں بہت بلند مرتبہ حاصل کر چکے تھے ، لیکن استاذ کے ادب و احترام کی وجہ سے آپ نے علیحدہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع نہیں کیا ، بلکہ

حضرت حماد رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے خادم اور معاون کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ احترام کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ساری زندگی اپنے استاذ کے مکان کی طرف پاؤں نہیں کیئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کا ورع و تقویٰ

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نہایت عابد و زاہد اور متقی شخص تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں جب کوفہ میں آیا تو لوگوں سے کوفہ کے سب سے متقی اور پرہیزگار شخص کے بارے میں پوچھا۔ تو سب لوگوں نے امام اعظم ابو حنیفہ کا نام لیا۔

حضرت ابو جعفر رازی فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں دیکھا۔ آپ کے تقویٰ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے حفص بن عبدالرحمٰن کے پاس کپڑوں کے بہت سے تھان بھیجے، ان میں سے ایک تھان ایسا تھا جس میں کچھ عیب تھا۔ آپ نے حفص بن عبدالرحمٰن کو کہلا بھیجا کہ یہ تھان فروخت کرتے وقت خریدار کو اس کا عیب بھی بتا دینا لیکن جب وہ تھان فروخت ہوا، حفص بن عبدالرحمٰن اس کا عیب بتانا بھول گئے اور وہ خریدار بھی بعد میں نہ مل سکا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے ان تمام تھانوں کی قیمت تقریباً تیس ہزار درھم صدقہ کر دیئے۔

ایک مرتبہ آپ کے کسی ملازم نے ایک ایسا کپڑا جس کی مالیت چار سو درھم تھی ایک ہزار درھم میں فروخت کر دیا آپ کو معلوم ہوا تو چھ سو درھم مدینہ منورہ جا کر اس شخص کو واپس کیئے۔

عبادت و ریاضت

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کاروباری اور علمی مصروفیات کے باوجود ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے تھے ۔ایک روایت کے مطابق آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ حضرت علامہ ذھبی فرماتے ہیں کہ آپ کا رات کو عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے ۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر اپنے ساتھی کو بتایا کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ ہیں جو ساری رات جاگ کر گزارتے ہیں آپ نے سنا تو فرمایا ہمیں ویسا ہی بننا چاہئے جیسا لوگ ہمارے بارے میں گمان رکھتے ہیں۔اس کے بعد آپ نے رات کو جاگ کر عبادت کرنا شروع کی اور ساری زندگی اس معمول پر قائم رہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ ایک دن میں اور ایک رات میں قرآن پاک ختم کرتے تھے۔جب کہ رمضان المبارک اور عید کے موقع پر آپ باسٹھ مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے تھے۔

اخلاق و عادات

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انتہائی پاکیزہ فطرت اور بہترین عادات کے مالک تھے ۔آپ کی ذات سچائی ،انصاف پسندی، امانت و دیانت ، عاجزی و انکساری اور ہمدردی و غمگساری کا بہترین نمونہ تھی۔ آپ نے زندگی میں کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ آپ اکثر فرماتے تھے خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھانے سے محفوظ رکھا۔

آپ سے جب بھی کوئی ملنے آتا تو آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ہوتے تاکہ ملنے والا خوش ہو جائے۔ لوگوں سے آپ کا رویہ ہمیشہ نرم ہوتا بہت سے لوگ آپ سے قرض لیتے لیکن آپ نے کبھی کسی مقروض سے اس کا تقاضا نہیں کیا۔ ایک مرتبہ آپ کہیں جارہے تھے کہ ایک شخص آپ کو دیکھ کر روپوش ہو گیا آپ اس شخص کے قریب گئے اور چھپنے کی وجہ پوچھی تو اس نے عرض کیا میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ آپ سے دس ہزار درھم قرض لئے تھے اور وعدے کے مطابق ابھی تک واپس نہیں کر سکا۔ آپ نے فرمایا میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ دولت کی وجہ سے کوئی مسلمان مجھ سے دور رہے لہذا میں خدا کو گواہ بنا کر تمہیں تمام قرض معاف کرتا ہوں۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ اگر کسی کو کچھ عطا فرماتے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو انتہائی افسوس ہوتا آپ فرماتے شکر کی مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

آپ نے بیس سال تک حضرت امام ابو یوسف اور ان کے اہل و عیال کی کفالت کی۔

حضرت معافی بن عمران موصلی کہتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ میں دس خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک خصلت بھی کسی انسان میں پائی جائے تو وہ اپنے قبیلے کا سردار اور اپنی قوم کا رئیس ہو تا یعنی ورع، صدق، سخاوت، فقہ، لوگوں کی خدمت و مدارت، سچی مروت، جوبات سنے قبول کرے، زیادہ خاموشی، بات کرنے میں پختگی، دوست ہو یا دشمن اس کی مدد کرنا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں مشائخ اسلام کی رائے

امام مالک فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ اگر پتھر کے ستون کو

سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ سب لوگ فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کے محتاج ہیں۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔امام اعظم ابو حنیفہ سید العلماء ہیں۔

حضرت سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں میں نے آپ کی مثل کوئی شخص نہیں دیکھا

امام شعبہ جن کے بارے میں امام شافعی کا کہنا ہے اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں جس طرح میں جانتا ہوں سورج روشن ہے اسی طرح میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہمنشیں ہیں۔

حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویری فرماتے ہیں۔اماموں کے امام، اہل سنت وجماعت کے مقتداء، فقہاء کے شرف، علماء کی عزت، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو دو مرتبہ خواب میں دیکھا حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ابو حنیفہ تجھ کو اللہ تعالیٰ نے میری سنت کو پھیلانے کے لئے پیدا فرمایا ہے اس لئے گوشہ نشینی ترک کر دو چنانچہ آپ نے دین کی خدمت شروع کر دی اور بڑے بڑے مشائخ کے استاذ بنے۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان کی مثل نہیں ہو سکتا۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے بارے میں کوئی نہیں کر سکتا سوائے دو شخصوں کے یا تو وہ ان کے علم سے حسد کرتا ہے یا وہ ان کے علم سے ناواقف ہے۔

حضرت عبداللہ بن داؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کریں کیوں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی سنتوں اور فقہ کے مسائل کو جمع کرکے ان پر عمل کرنا آسان بنادیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں غیر مقلدین کی رائے

مولوی محمد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ بڑے عابد وزاہد، خدا ترس، متقی، پرہیزگار تھے، دل ہر وقت خوف الٰہی سے لبریز رہتا تھا بہت کم بولتے تھے، بڑے سلیم الطبع۔ بلند اخلاق، پسندیدہ طبیعت منکسر المزاج، ملنسار، بردبار، عالم باعمل اور فرشتہ خصلت انسان تھے تقوی اور خوف خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ دیانت آپ کی مسلم تھی۔ مزید لکھتے ہیں خدا کا فضل اور توفیق آپ کے شامل حال تھی، اس کو منظور تھا کہ انہیں دنیا میں علم کا ایک خاص مقام عطا فرمائے اور زمانے کا مجتہد بنائے۔ (سبیل الرشاد)

سید نذیر حسین دہلوی امام ابو حنیفہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں " اَمَامُنَا وَسَیِّدُنَا اَبُوحَنِیْفَةَ النُّعْمَانَ اَفَاضَ اللّٰهُ عَلَیْهِ شَآبِیْبَ الْعَفْوِوَالْغُفْرَانِ "۔ ہمارے امام اور ہمارے سردار ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ ان پر عفو و کرم اور مغفرت کی موسلا دھار بارش نازل فرمائے۔ (معیار الحق)

نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جس طرح علم دین میں منصب امامت رکھتے ہیں۔ اسی طرح زہد و عبادت میں سالکوں کے امام ہیں۔

میر محمد ابراہیم سیالکوٹی حافظ عبدالمنان صاحب اہل حدیث کے

حالات میں لکھتے ہیں کہ حافظ عبدالمنان صاحب ائمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین خصوصاً امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔

وصال :

بغداد کے عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا تو آپ نے انکار کیا۔ اس نے غضب ناک ہو کر آپ کو کوڑے لگوائے پھر جیل میں ڈال دیا جہاں خلیفہ منصور کے اشارے پر آپ کو زہر دیا گیا؛ چنانچہ وقت کے اس عظیم امام نے ۱۵۰ھ کو شعبان یا رجب کے مہینے میں بحالت سجدہ وفات پائی۔

قاضی بغداد حسن بن عمارہ نے آپ کو غسل دیا۔ آپ کے جنازہ میں پچاس ہزار افراد نے شرکت کی دفن کے بعد بیس روز تک آپ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

اولادِ امجاد

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے صرف ایک فرزند تھے حضرت حماد جو انتہائی متقی پرہیزگار اور بہت بڑے فقیہ تھے۔

تصانیف

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے مندرجہ ذیل کتب آپ کی طرف منسوب کی ہیں۔

نمبر ۱: کتاب العالم و المتعلم۔ نمبر ۲: الفقہ الاکبر۔

نمبر ۳ : کتاب الوصایا۔ نمبر ۴ : کتاب المقصود۔
نمبر ۵ : کتاب الاوسط۔

اس کے علاوہ خود آپ کی شخصیت کے بارے میں جو کتب لکھی گئی یا جن کتب میں جزوی طور پر آپ کا تذکرہ موجود ہے ان کی تعداد ہزاروں شمار کی گئی ہے صرف اردو زبان میں ایسی کتابوں کی تعداد سو ۱۰۰ سے زیادہ ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں

☆ پہلے علم حاصل کرو پھر دولت کیوں کہ دنیا و آخرت کی عزت کا اصل ذریعہ علم ہے۔
☆ جو لوگ تم سے ملنے آئیں ان سے علمی گفتگو کرو بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔
☆ ہر معاملہ میں تقوی اور امانت کا خیال رکھو۔
☆ آذان کی آواز سنو تو فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔
☆ ہر مہینہ میں دو چار نفلی روزے رکھا کرو۔
☆ اپنے پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرو۔
☆ جو کام کرو اطمینان سے کرو اور جلدی نہ کرو۔
☆ راستہ میں چلتے ہوئے دائیں بائیں مت دیکھو
☆ لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے سختی اور بے ادبی کے الفاظ مت بولو۔
☆ شاگردوں کے ساتھ خلوص اور محبت کے ساتھ پیش آؤ۔
☆ دوسروں کی غیبت اور چغلی کھانے سے بچو۔
☆ کوئی مسئلہ پوچھے تو سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ مت بڑھاؤ۔
☆ علمی معاملات میں سوچ کر بولو اور وہی بولو جس کو ثابت کر سکو۔
☆ عام فہم مسائل بیان کرو اس دوران خوش طبعی بھی کرتے رہو۔

اپنے شاگردوں کو فرماتے ہیں :

نرم گفتاری ، صبر و تحمل ، حسن اخلاق اور فراخ دلی کا ثبوت دو! اپنا راز کسی کو نہ بتاؤ ! آزمائے بغیر کسی سے مصاحبت نہ کرو ! کم ظرف لوگوں سے دوستی نہ کرو! احمقوں سے بے تکلف نہ ہو! عمدہ کپڑے پہنو! خوشبو استعمال کرو! معمولی غلطی پر گرفت نہ کرو! اور دوسروں کی مدد کرو۔

[تمت بالخیر]

سردار احمد حسن سعیدی

گاؤں سگھری، تحصیل جنڈ، ضلع اٹک

۲۳ / مارچ ۱۹۹۹ء

(انٹرنیشنل وومن اسلامک یونیورسٹی)

(نیو کیمپس)

جامعہ آمنہ ضیاء البنات

ماڈل ٹاؤن ہمک اسلام آباد

زیر انتظام: ادارہ ضیاء العلوم راولپنڈی پاکستان

اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیمات کی صداقت پر یقین اور عمل ہی عزت و نجات کا ضامن ہے۔ ایک حد تک اسلامی تعلیمات کا حاصل کرنا ہر مرد و زن پر فرض ہے، خصوصاً اس نازک دور میں جبکہ طاغوتی قوتوں نے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلام کے ابدی اور بنیادی عقائد و نظریات، پاکیزہ عبادات، شرف انسانیت اور تہذیب و اخلاق کے خلاف ہمہ جہت طاقتور حملہ شروع کر رکھا ہے اور بالخصوص حوا کی بیٹیوں کو "حقوق نسواں" کے نام پر بے شرم و بے حیاء، مادر پدر آزاد اور اسلام گریز بنایا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں مزید ضروری ہو جاتا ہے کہ دختران اسلام کو قرآن و حدیث، فقہ اسلامی و دیگر مروجہ دینی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری و دنیاوی علوم سے روشناس کرایا جائے

اسلامی خطوط پر اولاد کی تربیت اور اصلاح معاشرہ میں مسلمان عورت کا بڑا نمایاں کردار ہے۔ گھریلو ماحول میں اسوۂ حسنہ کی شمع کو فروزاں کر کے بچے بچیوں کے افکار و کردار اسلامی قالب میں ڈھالنے کیلئے عورتیں مردوں کی بہ نسبت بہتر کار انجام دے سکتی ہیں، اور ماضی میں دیتی رہی ہیں۔

دختران اسلام کے قابل فخر کارنامے تاریخ اسلام کا سنہری باب ہیں۔ یہی مائیں تھیں جن کی گود میں اسلام پلتا تھا۔ اسی غار سے انسان نور کے سانچے میں ڈھلتا تھا۔

دختران اسلام کی کردار سازی، اسلامی ماحول میں تربیت، اور اذہان و قلوب کو علم دین سے مزین و منور کرنے کیلئے **"ادارہ ضیاء العلوم راولپنڈی"** نے انتہائی مشکل کام سمجھنے کے باوجود تعمیر ملت میں اپنا حصہ ڈالنے کیلئے اپریل ۲۰۰۰ء میں "جامعہ آمنہ ضیاء البنات" کا قیام کیا۔ اور حصول برکت کیلئے نبی اکرم شافع محشر قاسم کوثر ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نام نامی سے منسوب کیا۔

مختصر عرصہ میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ خواتین کے دار العلوم میں اس وقت دو سو سے زائد طالبات زیر تعلیم ہیں جن کی تعلیم، رہائش، خوراک اور علاج وغیرہ کی سہولیات جامعہ کی طرف سے **"مفت"** فراہم کی جاتی ہیں۔

احباب سے ادارہ کی ظاہری و باطنی ترقی کیلئے دعا کی درخواست ہے

اسلام آباد میں تین ایکڑ (چوبیس کنال) = **131250** مربع فٹ کا پلاٹ حاصل کیا جا چکا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک

بحمدہ تعالیٰ ۳۰ مارچ ۲۰۰۱ء کو افتتاحی تقریب منعقد ہو چکی ہے۔ ابتدائی تعمیرات چار دیواری اور پانی کے کنوئیں، ٹیوب ویل کا کام شروع ہو چکا ہے۔

منصوبہ جات و پروگرام

- ☆ ایک ہزار بچیوں کیلئے جدید سہولتوں سے آراستہ دار الاقامہ (ہاسٹل)
- ☆ کلاس روم، لائبریری، کمپیوٹر ٹریننگ سنٹر، ہوم اکنامکس سنٹر
- ☆ کچن و ڈائننگ ہال۔ ☆ ان ڈور مناسب کھیلوں کیلئے تفریح گاہ
- ☆ دفاتر، آڈیٹوریم، صلوٰۃ روم، ڈسپنسری، مسجد، واٹر ٹینک۔
- ☆ استانیوں اور عملہ کے دیگر افراد کے لئے فیملی کوارٹرز۔
- ☆ دیگر سہولیات بفضلہ تعالیٰ وتوفیقہ

سلیبس:

(۱) حفظ القرآن (۲) تجوید القرآن

(۳) صرف و نحو، بلاغت، ادب عربی، سیرت، تاریخ، فقہ و اصول فقہ تفسیر قرآن اور حدیث پر مشتمل آٹھ سالہ کورس (درس نظامی) جس کی آخری سند الشہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ، ایم اے عربی اسلامیات کے مساوی ہے۔ اور گورنمنٹ پاکستان کے ہاں منظور ہے

(۴) فاضل عربی (علوم اسلامیہ و شرقیہ کا منظور شدہ نصاب تعلیم)

(۵) علوم عصریہ (حالات کے مطابق ایف اے، بی اے اور ایم اے) اور ہوم اکنامکس کے علاوہ جدید کمپیوٹر ٹریننگ کے کورسز شامل ہوں گے۔

اپیل: اس عظیم منصوبہ کی تکمیل پر دس کروڑ روپے سے زائد کا تخمینہ لگایا گیا ہے "ادارہ ضیاء العلوم" خواتین یونیورسٹی کے اس عظیم منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی اہلیت و ہمت تو نہیں رکھتا، بلکہ اسے شروع کرنے کیلئے بھی فی الوقت اسباب سے تہی دامن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف امید ہی نہیں کامل یقین و اعتماد ہے کہ وہ معطی مطلق خزانہ غیب سے اسباب پیدا فرمادے گا۔ اور اپنے کرم خاص سے بطفیل صدقہ حبیب کبریا ﷺ اہل اسلام کے دلوں کو اس طرف متوجہ فرمادے گا۔

مخیر احباب اس دینی و اخروی سرمایہ کاری سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور احباب کو بھی اس صدقہ جاریہ میں شمولیت کی بھرپور دعوت دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

سید شہاب الدین شاہ سلطانپوری

(ناظم اعلیٰ)

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی پاکستان

خط و کتابت کیلئے: جامعہ رضویہ ضیاء العلوم ڈی بلاک سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

فون نمبرز: 92-51-4452404 - 4840404

فون نمبر سنٹر: 92-51-5770731 - 5537312

جامعہ کا اکاؤنٹ: HBL 5066 ترنکاری بازار راولپنڈی

تعمیراتی اکاؤنٹ: HBL 2974-72 کمرشل مارکیٹ سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

ای میل ایڈریس: ziauloom@isb.paknet.com.pk